جامعہ دارالعلوم کراچی

کا ترجمان

ماہنامہ

البلاغ

جمادی الاولیٰ ۱۴۴۰ھ / فروری ۲۰۱۹ء

مسجد وزیر خان، لاہور

بانی

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ

هٰذا بلاغٌ للناس

جلد ۵۴ شمارہ ۵
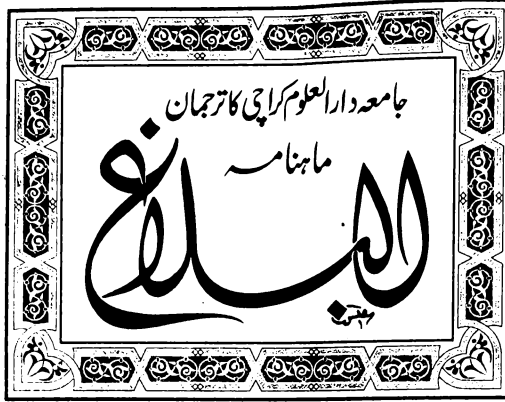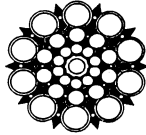
جمادی الاولیٰ ۱۴۴۰ھ / فروری ۲۰۱۹ء

نگران

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم

مدیر اعلیٰ

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

مدیر مسؤل

مولانا عزیز الرحمٰن صاحب

مجلس ادارات

مولانا محمود اشرف عثمانی ... مولانا راحت علی ہاشمی

زیر انتظام فرحان صدیقی

ترتیب

فی شمارہ ....۳۵/- روپے

سالانہ زرِ تعاون ....۴۰۰/- روپے

بذریعہ رجسٹری ....۵۵۰/- روپے

سالانہ زر تعاون

بیرون ممالک

امریکہ، آسٹریلیا، افریقہ اور

یورپی ممالک..............۳۵ ڈالر

سعودی عرب، انڈیا اور متحدہ عرب

امارات..............۲۷ ڈالر

ایران، بنگلہ دیش............۲۵ ڈالر

خط و کتابت کا پتہ

ماہنامہ "البلاغ" جامعہ دارالعلوم کراچی

کورنگی انڈسٹریل ایریا کراچی ۷۵۱۸۰

فون نمبر:- 021-35123222

021-35123434

بینک اکاونٹ نمبر

9928-0100569829

میزان بینک لمیٹڈ

کورنگی دارالعلوم برانچ کراچی
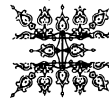
Email Address:

monthlyalbalagh@gmail.com

www.darululoomkarachi.edu.pk

پبلشر:- محمد تقی عثمانی

پرنٹر:- القادر پرنٹنگ پریس کراچی

حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب، مدظلہم
استاذ الحدیث جامعہ دار العلوم کراچی

آہ! مولانا رشید اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حمد وستائش اس ذات کے لئے ہے جس نے اس کارخانۂ عالم کو وجود بخشا

اور

درود و سلام اس کے آخری پیغمبر پر جنہوں نے دنیا میں حق کا بول بالا کیا

ذہن اس بات کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہے کہ بھائی رشید اب ہمارے درمیان، اس دنیا میں نہیں ہیں، ایک ادارے اور اس کی سرگرمیوں میں ہر وقت ساتھ ساتھ شریک عمل ہونے کے علاوہ بھائی رشید سے برادر نسبتی ہونے کی بھی بے تکلفانہ قربت تھی، گھروں میں آزادانہ آمدورفت اور ہر طرح کے گرم وسرد حالات میں ایک دوسرے کی خبر گیری ہم دونوں کے لئے باعث راحت وتسکین ہوتی تھی، بچے بھی اپنے "ماموں جان" کی شفقتوں سے نہال ہوئے جاتے تھے، اپنے "ماموں جان" سے بحث وتکرار میں ان کو بڑا مزا آتا تھا، بھائی رشید بھی اپنی ہمشیرہ کو سلام کرنے گھر آجاتے تھے تو اس دوران کسی موضوع سے متعلق نوک جھونک سے مجلس کا رنگ نکھر جاتا تھا، وہ میری تدریسی زندگی کے ابتدائی تلامذہ میں سے بھی تھے اور خانگی بے تکلفانہ قرابت کے باوجود بندہ کو احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے، ان سے پڑوسی ہونے کی بھی قرابت تھی، تقریباً پچاس سال کا یہ طویل دورانیہ بحمداللہ کسی ناچاقی کا شکار نہیں ہوا ہے، ان کے ساتھ ملک وبیرون ملک طویل طویل سفر بھی ہوئے، اور بعض مسائل میں اختلاف رائے کے باوجود برادرانہ تعلق میں کبھی جمود نہیں آیا، ان کے بعض حالات کا دکھ اور ان کی بیماری، ہمارے گھر میں صدمہ اور بے چینی کا سبب بنی، اپنائیت کے ان گونا گوں رشتوں نے دونوں کو اس طرح جوڑ دیا تھا

کہ جدائی کا خیال بھی نہیں آتا تھا، وہ علم ودانش سے آراستہ، مضبوط اعصاب کے مالک تھے ان کی طبیعت میں مہم جوئی تھی وہ عزم وحوصلہ سے سرشار شخصیت تھے، وہ دارالعلوم کراچی کے مرحلہ علیاء کے مقبول اور طلبہ کے محبوب استاذ تھے، اس کا کبھی خیال نہیں آیا کہ بھائی رشید ہم سے اتنی جلدی رخصت ہو جائیں گے۔

دل تو میرا اداس ہے ناصر
شہر کیوں سائیں سائیں کرتا ہے

ایک عرصہ سے انہیں ذیابطیس اور ہائی بلڈ پریشر کا عارضہ لاحق تھا لیکن اس کی وجہ سے انہوں نے اپنے معمولات کو متاثر نہیں ہونے دیا، دوسال قبل ۲۹ رجنوری ۲۰۱۷ء کو ان پر فالج کا شدید حملہ ہوا جس کے نتیجے میں ان کے جسم کا دایاں حصہ مفلوج ہوگیا اور ہر طرح کے علاج کے باوجود افاقہ نہیں ہوا، اٹھنے بیٹھنے اور چلنے پھرنے سے معذور ہوگئے تھے اور ہر نقل وحرکت کے لئے وہیل چیر اور مضبوط سہارے کے محتاج تھے۔ تاہم ان کی ذہنی صلاحیت اور قوت گویائی بحمداللہ بحال تھی اور معذوری کی اس حالت میں بھی وہ اپنے تدریسی اور انتظامی امور انجام دیتے رہے، درجہ سابعہ میں مشکوۃ اور دورۂ حدیث میں ترمذی شریف کی اہم کتابیں کئی سال سے ان کے زیر درس تھیں، فالج کے حملے کے دوران چند روز کے تعطل کے بعد انہوں نے اختتام سال تک یہ کتابیں پوری کرادیں، اسی سال ان کو حرمین شریفین کی حاضری اور عمرے کا اشتیاق اتنی شدت سے ہوا کہ اسی جسمانی معذوری کے باجود اپنے دو بیٹوں اور اہلیہ کے ساتھ ربیع الاول کے مہینے میں حجاز مقدس کے سفر پر روانہ ہوئے، ان کی طبعی حالت کی وجہ سے اس طویل سفر میں ان تین افراد کا ہمرکاب ہونا ضروری بھی تھا، جبکہ مدینہ اور مکہ میں ان کو اپنے بھائی جان، بھائی امین اشرف صاحب زید مجدہ (جو محکمہ شرعیہ مدینہ منورہ کے موظف ہیں اور تقریباً چالیس سال سے مدینہ منورہ میں مقیم ہیں) کی معیت بھی ان کو حاصل تھی۔ تقریباً تین ہفتہ پر محیط حرمین شریفین کا یہ مبارک سفر پورا ہوا اور واپسی کے بعد اپنے تدریسی اور انتظامی معمولات میں مشغول ہوگئے، آٹھ نو سال کے وقفہ کے بعد اس سفر کا ان کی طبیعت پر بڑا اثر محسوس ہوتا تھا، اس سفر سے متعلق گفتگو کرتے کرتے ان پر رقت طاری ہوجاتی تھی، ۱۷/ربیع الثانی کو منگل کے دن ان کی طبیعت ہشاش بشاش تھی، انہوں نے اپنے اسباق بھی پڑھائے، عصر کے بعد بعض تلامذہ اور احباب کے ساتھ نشست رہی جس میں انہوں نے ماضی کے مختلف واقعات بھی سنائے، مغرب کی نماز بھی گھر پر ہی جماعت سے اداء کی اور گھر والوں سے چائے کی فرمائش بھی کی کہ اچانک بیٹھے بیٹھے پیچھے کی طرف

گر گئے، زور زور اور بلند آواز سے سانس چلنے لگا، یہ غیر معمولی کیفیت تھی، فوراً ہسپتال منتقل کئے گئے، ان کو برین ہیمبرج ہوگیا تھا اور اسی بے ہوشی کی کیفیت میں چھ دن موت وحیات کی کشمکش میں رہ کر دنیا سے تعلق کا جو رسمی سا رشتہ قائم تھا دیکھتے ہی دیکھتے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ٹوٹ گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون ، ان للہ ماأخذ ولہ ماعطی و کل شئی عندہ باجل مسمی ، برد اللہ مضجعہ واکرم مثواہ . آمین یا رب العلمین۔

یہ خبر ان کے بچوں، ان کی ضعیف العمر والدہ محترمہ اور دیگر لواحقین اور محبت وعقیدت کا تعلق رکھنے والے وسیع حلقے کے لئے صاعقہ سے کم نہیں تھی، دراصل زندگی کی یہی آخری ہچکی ہے جس سے کسی کا استثناء نہیں ہے، حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے اس سانحہ پر اپنے ٹویٹ میں لکھا——"میرے نہایت عزیز بھانجے اور دارالعلوم کراچی کے قابل ومقبول استاذ، مدرسۃ البنات کے ناظم اور میری "درس ترمذی" کے مرتب ومحقق مولانا رشید اشرف سیفی رحمۃ اللہ علیہ آج رات انتقال فرماگئے انا للہ وانا الیہ راجعون، دعائے مغفرت کی درخواست ہے"۔

مولانا رشید اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے شب وروز بچپن سے لے کر وفات تک جامعہ دارالعلوم کراچی سے وابستگی میں گزرے، ناظرہ قرآن کریم اور پرائمری سے لے کر دورۂ حدیث تک کی پوری تعلیم مرحوم نے اِسی فضا میں مکمل کی اور شعبان ۱۳۹۶ھ (۱۹۷۶ء) میں دورۂ حدیث کی تکمیل کرکے درس نظامی سے فارغ ہوئے، ان کی تربیت میں والد ماجد (مولانا نور احمدؒ ناظم اول جامعہ دارالعلوم کراچی) والدہ ماجدہ حفظھا اللہ تعالیٰ کے علاوہ مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرّہ، بانی جامعہ دارالعلوم کراچی کا بھی بڑا حصہ رہا ہے اور حضرت مفتی صاحب قدس سرہ نے خود اپنی وفات (شوال ۱۳۹۶ھ) سے پہلے ماہ شعبان ہی میں مرحوم کو منصب تدریس پر فائز کرکے اسباق تجویز فرمائے تھے، مرحوم کو حضرت مفتی صاحب قدس سرّہ سے نانا ہونے کی عظیم نسبت اور شرف حاصل تھا وہ اس نسبت کے واقعات فخر سے سناتے تھے۔ موصوف تدریس کے علاوہ تصنیف وتالیف اور انتظامی صلاحیتوں سے بھی بہرہ ور تھے اور اپنے مفوضہ امور پوری توجّہ، تعمق اور تدبّر سے بجالاتے تھے۔

حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کا درس ترمذی، انہوں نے بڑی عرق ریزی سے مرتب کیا تھا اور اس پر تحقیقی حواشی لکھے، اپنے والد ماجد کے مفصل سوانح حیات پر مشتمل کتاب "متاع نور" بھی ان کے قلم کا شاہکار ہے، مرحوم جامعہ دارالعلوم کے دو اہم شعبہ جات، مدرسہ ابتدائیہ وثانویہ اور مدرسۃ البنات کے بھی ناظم تھے، مدرسۃ البنات میٹرک تک کی عصری تعلیم کے علاوہ چھ سالہ مکمل درس نظامی اور دو سالہ دراسات دینیہ کے

مناہج تعلیم پر مشتمل وسیع تعلیمی شعبہ ہے، جس سے تقریباً ایک ہزار کی تعداد میں طالبات استفادہ کررہی ہیں۔

مولانا رشید اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تمام فکری اور عملی صلاحیتیں دارالعلوم کی خدمت کے لئے وقف کردی تھیں، تدریس اور مختلف النوع انتظامی مشاغل کے علاوہ بیرونی طور پر ان کا کوئی مشغلہ نہیں تھا، طلبہ سے بے تکلفانہ تعلق کی بناء پر وہ ہردلعزیز استاذ تھے اور طلبہ کے ذاتی مسائل ومشکلات کے حل میں پیش پیش رہتے تھے، دارالعلوم میں منعقد ہونے والی ہر طرح کی تقریبات کا نظم ونسق ان سے متعلق ہوتا تھا جو نہایت جامعیت، عمدگی اور شاندار ترتیب کی وجہ سے دوررس اثرات چھوڑتا تھا، وفاق المدارس کے نصابی اور امتحانی نظم میں بھی دارالعلوم کی طرف سے ان کی نمائندگی فعّال اور متاثر کن ہوتی تھی۔

آج جب وہ ہم میں نہیں ہیں تو پچھلے پچاس سال کے دورانیہ میں، ان کے شب وروز سے متعلق بہت سے واقعات سر اٹھا اٹھا کر نگاہوں کے سامنے آرہے ہیں اور یہ یقین نہیں آتا کہ یہ سب کچھ مولانا رشید اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جدائی کے بعد، صرف ان سے متعلق ماضی کی یادیں ہیں۔

بس اتنی سی حقیقت ہے فریب خوابِ ہستی کی
کہ آنکھیں بند ہوں اور آدمی افسانہ ہوجائے

۲۹/جنوری ۱۹۵۷ء کو مولانا نور احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے گھر میں جس جوہر قابل نے آنکھیں کھولی تھیں، وہ ۲۳/ربیع الثانی ۱۴۴۰ھ بروز پیر، شمسی سال ۲۰۱۸ء کے آخری دن ۳۱/دسمبر کو بوقت مغرب، تقریباً ۶۲/سالہ گردش لیل ونہار سے گذر کے، اس جہانِ فانی کے جھمیلوں سے دامن جھٹک کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رخصت ہوگیا۔

رب کریم ان کو مقامات عالیہ سے سرفراز فرمائے، اپنے قرب خاص سے نوازے اور پسماندگان کو صبر جمیل اور اجر جزیل عطا کرے، آمین۔ یارب العلمین۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

توضیح القرآن

آسان ترجمۂ قرآن

...... ایاتها ۱۶۵	سورة الانعام	...... رکوعاتها ۲۰ ......

وَ اَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّ لَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ۝۵۱ وَ لَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّ مَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ۝۵۲

اور (اے پیغمبر!) تم اِس وحی کے ذریعے اُن لوگوں کو خبردار کرو جو اس بات کا خوف رکھتے ہیں کہ ان کو ان کے پروردگار کے پاس ایسی حالت میں جمع کر کے لایا جائے گا کہ اس کے سوا نہ ان کا کوئی یار و مددگار ہوگا، نہ کوئی سفارشی[1]، تاکہ وہ لوگ تقویٰ اختیار کرلیں۔ (۵۱) اور اُن لوگوں کو اپنی مجلس سے نہ نکالنا جو صبح و شام اپنے پروردگار کو اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے پکارتے رہتے ہیں۔[2] اِن کے حساب میں جو اعمال ہیں اُن میں سے کسی کی ذمہ داری تم پر نہیں ہے، اور تمہارے حساب میں جو اعمال ہیں اُن میں سے کسی کی ذمہ داری اُن پر نہیں ہے جس کی وجہ سے تم انہیں نکال باہر کرو، اور ظالموں میں شامل ہوجاؤ (۵۲)

---

(۱) یہ درحقیقت مشرکین کے اس عقیدے کی تردید ہے کہ وہ اپنے دیوتاؤں کو اپنا مستقل سفارشی سمجھتے تھے۔ لہٰذا اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس شفاعت کی تردید نہیں ہوتی جو آپ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے مؤمنوں کے لئے کریں گے۔ کیونکہ دوسری آیتوں میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے شفاعت ممکن ہے (مثلاً دیکھئے: سورۂ بقرہ آیت نمبر ۲۵۵)

(۲) قریشِ مکہ کے کچھ سرداروں نے یہ کہا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد غریب اور کم حیثیت قسم کے لوگ بکثرت رہتے ہیں۔ ان کے ساتھ آپ کی مجلس میں بیٹھنا ہماری توہین ہے۔ اگر آپ ان لوگوں کو اپنی مجلس سے اُٹھادیں تو ہم آپ کی بات سننے کے لئے آسکتے ہیں۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔

وَ كَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَ اِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَ اَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵۴﴾ وَ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَ لِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۵۵﴾

اسی طرح ہم نے کچھ لوگوں کو کچھ دوسروں کے ذریعے آزمائش میں ڈالا ہے[1] تاکہ وہ (ان کے بارے میں) یہ کہیں کہ: "کیا یہ ہیں وہ لوگ جن کو اللہ نے ہم سب کو چھوڑ کر احسان کرنے کے لئے چنا ہے[2]؟" کیا (جو کافر یہ بات کہہ رہے ہیں اُن کے خیال میں) اللہ اپنے شکر گزار بندوں کو دوسروں سے زیادہ نہیں جانتا؟ (۵۳) اور جب تمہارے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو ان سے کہو: "سلامتی ہو تم پر! تمہارے پروردگار نے اپنے اُوپر رحمت کا یہ معاملہ کرنا لازم کرلیا ہے کہ اگر تم میں سے کوئی نادانی سے کوئی برا کام کر بیٹھے، پھر اس کے بعد توبہ کرلے اور اپنی اصلاح کرلے تو اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے (۵۴) اور ہم اسی طرح نشانیاں تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں، (تاکہ سیدھا راستہ بھی واضح ہوجائے) اور تاکہ مجرموں کا راستہ بھی کھل کر سامنے آجائے (۵۵)

---

(۱) مطلب یہ ہے کہ غریب مسلمان اس حیثیت سے ان امیر کافروں کے لئے ایک آزمائش کا سبب بن گئے ہیں کہ آیا یہ لوگ اصل اہمیت حق بات کو دیتے ہیں یا صرف اس وجہ سے حق کا انکار کردیتے ہیں کہ اس کے ماننے والے غریب لوگ ہیں۔

(۲) یہ کافروں کا فقرہ ہے جو غریب مسلمانوں کے بارے میں طنزیہ انداز میں کہتے تھے۔ یعنی (معاذ اللہ) ساری دُنیا میں سے یہی کم حیثیت لوگ اللہ تعالیٰ کو ملے تھے جن پر وہ احسان کرکے انہیں جنت کا مستحق قرار دے؟

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب، دامت برکاتہم
نائب رئیس ——— جامعہ دارالعلوم کراچی

یادیں

(پندرہویں قسط)

جس جمعیت علماء اسلام کے دورے کا ذکر میں نے پیچھے کیا ہے، یہاں بظاہر یہ ضروری تھا کہ اس کا مختصر تعارف بھی کراؤں، اور اس سوال کا بھی جواب دوں جو اکثر ذہنوں میں پیدا ہوتا ہے کہ موجودہ جمعیت علماء اسلام آیا وہی ہے یا کوئی اور؟ لیکن اس وقت میں اپنے بچپن اور لڑکپن کی یادیں لکھ رہا ہوں، اس لئے یہاں اس داستان کو چھیڑنا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اس کا تذکرہ اپنے موقع پر آئے گا۔

تعلیمی سال کا اختتام

لاہور، دیوبند اور صوبۂ سرحد و پنجاب کے سفر کی بنا پر میں دو مہینے سے زائد دارالعلوم سے غیر حاضر رہا۔ اس لئے میری تعلیم کا کافی نقصان ہو چکا تھا۔ اگرچہ جامعہ اشرفیہ لاہور اور دارالعلوم دیوبند میں کچھ عرصہ تعلیم جاری رہی، لیکن ظاہر ہے کہ وہ مرتب تعلیم کا بدل نہیں ہو سکتی تھی۔ اور واپسی کے بعد بمشکل تین مہینے امتحان سالانہ میں باقی تھے۔ اس لئے نقصان کی تلافی کے لئے کافی محنت کرنی پڑی۔ اس سال میرے سالانہ امتحان کا حسب ذیل نتیجہ دارالعلوم کی رُوداد بابت رمضان ۱۳۷۵ھ تا شعبان ۱۳۷۶ھ مطابق مئی ۱۹۵۶ء تا اپریل ۱۹۵۷ء میں درج ہے:

کنز الدقائق: ۵۱، البلاغۃ الواضحۃ: ۵۰، ترجمۂ قرآن کریم: ۵۰، شرح جامی: ۴۹، مقامات حریری: ۴۶، قطبی: ۴۱، اصول الشاشی: ۴۵، شرح تہذیب: ۴۴، خوشنویسی: ۴۵

میری ڈائری میں درج ہے کہ کنز الدقائق کا امتحان مفتی صابر علی صاحبؒ نے، البلاغۃ الواضحۃ اور خوشنویسی کا امتحان حضرت مولانا سحبان محمود صاحبؒ نے، ترجمۂ قرآن کریم کا مولانا محمد متین خطیب صاحبؒ

نے ،شرح جامی کا مولانا زیارت گل صاحبؒ نے ،(جنہوں نے اپنا نام بعد میں حضرت والد صاحبؒ کی تجویز پر بدل کر عبدالحق رکھ لیا تھا) مقامات حریری کا امتحان تحریری تھا ،شرح تہذیب کا مولانا بدیع الزمان صاحبؒ نے ، قطبی کا مفتی ولی حسن صاحبؒ نے ،اور اصول الشاشی کا مولانا فضل محمد صاحبؒ نے لیا تھا۔ رحمهم الله تعالیٰ اجمعین.

تجوید کی مشق

مجھے یہ احساس کمتری پریشان کرتا رہتا تھا کہ میں نے پورا قرآن کریم باقاعدہ کسی استاذ سے نہیں پڑھا، بلکہ سات پاروں کے بعد خود ہی پڑھ پڑھ کر پورا کرلیا تھا۔اس وجہ سے میرے تلفظ میں کافی کوتاہیاں تھیں۔دارالعلوم میں پڑھنے کے دوران میں نے ان کوتاہیوں کو دور کرنے کیلئے کئی قاری صاحبان سے قرآن کریم کی تجوید کی مشق کی۔ان میں سب سے پہلے تو جناب قاری محمد الیاس صاحب مرحوم تھے جو ہمارے حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہم سبق، حضرت قاری محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صاجزادے تھے،اور ہمارے بھائی جناب محمد رضی صاحبؒ کے نسبتی بھائی بھی تھے۔وہ دارالعلوم میں مشق قرائت کرایا کرتے تھے۔میں نے اُن سے جمال القرآن پڑھا، اور سورۂ یوسف کی قرائت کی ابتدائی مشق کی۔ پھر حضرت قاری عبدالوہاب مکی صاحب رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم میں اس خدمت پر مامور ہوئے ،تو میں نے اُن سے بھی مشق کر کے استفادہ کیا۔اوران کی بتائی ہوئی یہ بات اب تک یاد ہے کہ قراءت حفص کی ایک روایت میں سارے قرآن کریم میں اشمام صرف ایک جگہ موجود ہے،اور وہ سورۂ یوسف کی آیت کریمہ مَالَکَ لَا تَاْمَنَّا کے نون میں ہے کہ اسے ادا کرتے ہوئے ہونٹوں کو اس طرح موڑا جاتا ہے جیسے ضمہ کی ادائیگی کے وقت ہونٹ مڑتے ہیں لیکن ضمہ پڑھا نہیں جاتا۔

اُن کے بعد حضرت قاری حامد حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ اُس زمانے میں اپنی خوش الحانی میں شہرۂ آفاق تھے۔وہ بڑے نازک مزاج اور نفیس طبع بزرگ تھے۔ان کے بستر پر ایک معمولی شکن بھی پڑجائے تو وہ سو نہیں سکتے تھے۔ان کا کمرہ اُودھ کے کسی نواب کا کمرہ معلوم ہوتا تھا۔ساری عمر شادی نہیں کی، مگر ایک بلّی پالی ہوئی تھی ،وہی ان کی گھریلو دلچسپی کا سامان تھی، اور اُس کے ساتھ وہ بچوں کی طرح کھیلا کرتے تھے ۔وہ مرگئی ،تو ان کو باقاعدہ آنسوؤں سے روتے ہوئے دیکھا گیا۔قرآن کریم کی تلاوت میں وہ بہت سے لہجوں کے ماہر تھے،

اوران کی تلاوت سننے والوں کے لئے سماں باندھ دیتی تھی۔ میں نے اُن سے بھی استفادہ کرنا چاہا، لیکن وہ جتنے نازک مزاج تھے، اُتنے ہی زود رنج اور جلالی بھی تھے۔ میں نے ایک دو دن اُن سے مشق کی، تو اُنہیں میری کسی بے ہودگی پر جلال آ گیا، اور اُنہوں نے مجھے ڈانٹ دیا۔ اُس کے بعد اُن کے سامنے جانے کی ہمت نہ پڑی، اس لئے ان سے استفادہ کرنے سے محروم رہا۔ اس کے علاوہ لاہور کے قیام کے دوران میں کبھی کبھی حضرت قاری عبدالمالک صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھی چلا جاتا تھا۔ انہوں نے مجھے سورۂ حشر کے آخری رکوع کی مشق کرائی، اور مجھے یاد ہے کہ سورت کے آخری جملے "وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ" کی تلاوت کے وقت میں جب "العزیز" کے حرف لام پر پہنچتا تو اس کی ادائیگی کے وقت اُس میں قلقلہ پیدا ہو جاتا تھا۔ حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے اس پر کئی بار ٹوکا، مگر میری وہ عادت ختم نہ ہوئی، اس پر حضرت نے مجھے یہ گُر سکھایا کہ جب تم حرف "لام" ادا کر رہے ہو، تو اُسی وقت "عین" بھی ساتھ ساتھ پڑھ لیا کرو، اس طرح "لام" کی ادائیگی میں قلقلہ پیدا نہیں ہوگا۔ غرض انہوں نے اس ایک رکوع میں وہ کچھ سکھا دیا جو مہینوں میں بھی سیکھنا مشکل تھا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمةً واسعة.

دارالعلوم نانک واڑہ کا آخری سال

۱۳۷۵ھ کے شوال میں ہمارا دارالعلوم نانک واڑہ میں آخری سال تھا۔ اور اُس میں ہمیں ہدایہ اولین، نورالانوار، مختصر المعانی وغیرہ پڑھنی تھیں، اور یہ پہلا موقع تھا کہ ہمارے اسباق حضرت مولانا سحبان محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس نہیں تھے۔ ہدایہ حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحبؒ کے پاس تھی۔ نورالانوار حضرت مولانا قاری رعایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس شروع ہوئی جو انتہائی مقبول استاذ تھے، اور اپنے شگفتہ اندازِ گفتگو سے درس کو کشتِ زعفران بنائے رکھتے تھے۔ لیکن بعد میں اُنہیں مدرسے کی طرف سے اوپر کی کوئی کتاب پڑھانے کیلئے مل گئی، اس لئے نورالانوار حضرت مولانا سحبان محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس منتقل ہوگئی، اور اپنے محبوب استاد کے پاس دوبارہ کم از کم ایک گھنٹے حاضر رہنے کی مسرت میسر آ گئی۔

مختصر المعانی، سلم العلوم اور دیوان متنبّی حضرت مولانا فضل محمد صاحب سواتی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئیں جو بڑے منجھے ہوئے تجربہ کار استاذ تھے۔ حضرتؒ سے ہمیں مسجد باب الاسلام میں گلستاں کا کچھ حصہ پڑھنے کا موقع ملا تھا، اور اُن کی شخصیت کا بڑا بھاری رعب دل پر چھایا ہوا تھا، لیکن ان اسباق کی تدریس میں اُنہوں نے

جس شفقت ومحبت کا معاملہ فرمایا، وہ غیر معمولی تھا، اور ان کے احسانات کا حق ادا کرنا ہمارے لئے ممکن نہیں۔ان کا انداز تدریس بھی بڑا دلنشین تھا۔ اتفاق سے مجھے اپنی ٹیڑھی طبیعت کی وجہ سے مختصر المعانی سے کبھی مناسبت نہ ہوسکی، کیونکہ بلاغت میں منطقی چون وچرا ذوق پر بہت بار گذرتی تھی، اور یوں بھی پچھلے سال حضرت مولانا سحبان محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ہم نے البلاغۃ الواضحۃ جس اہتمام سے جھوم جھوم کر پڑھی تھی کہ ساتھ ساتھ ادبی عبارتوں اور اشعار میں علم بلاغت کے قواعد کا اجراء اور اُن کی مشق بھی ساتھ ساتھ ہوتی جاتی تھی، اُس کے بعد مختصر المعانی کی چون وچرا میں دل نہیں لگتا تھا۔ اسی طرح منطق کی ضروری اصطلاحات کا علم حاصل کرنے کے بعد اُس کی تفصیلی بحثوں کا بھی کوئی خصوصی ذوق نہیں تھا، اس لئے سلّم العلوم میں بھی زیادہ دل نہیں لگتا تھا۔البتہ دیوان متنبّی ہم نے ذوق وشوق کے ساتھ پڑھی، اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بھی وہ بڑے اہتمام سے پڑھائی۔ اُس کے بہت سے اشعار بھی مجھے یاد ہوگئے۔اور سب سے زیادہ لطف ہدایہ اور نورالانوار میں آتا تھا۔ ہدایہ میں حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ فقہ اور اصول کے نادر نکات تو بیان فرمایا ہی کرتے تھے۔اُس کے ساتھ وہ عمومی تربیت اور ذہن سازی کیلئے بھی بڑی مؤثر باتیں ارشاد فرماتے، اور عمومی مطالعہ بڑھانے کیلئے بھی ہدایات دیتے رہتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ انہوں نے میرا عربی لکھنے کا شوق دیکھا تو ایک دن فرمایا کہ کتب خانے میں ایک کتاب "فقہ اللغۃ" رکھی ہے، اُس کا مطالعہ کیا کرو۔ یہ ابو منصور ثعالبیؒ کی "فقہ اللغۃ" تھی جسے دیکھ کر وہ مجھے بہت دلچسپ معلوم ہوئی، اور اُسے میں نے پڑھانے کے زمانے تک مطالعے میں رکھا، اور اُس سے زبان وبیان کے تنوع میں بڑی مدد ملی۔

دینی مدارس میں یہ روایت شروع سے چلی آتی ہے کہ طلبہ استاذ سے سبق پڑھنے کے بعد اس کو دہرانے کیلئے ایک جماعت بنالیتے ہیں، پھر اپنے ہی میں سے کسی اچھی استعداد والے ساتھی کو منتخب کرلیتے ہیں کہ وہ سبق دہرا کر انہیں سنائے۔ اس عمل کو ہمارے مدارس کے ماحول میں "تکرار" کہا جاتا ہے۔ اور جو ساتھی تکرار کراتا ہے، اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ استاذ کی تقریر کا چربہ اتار کر طلبہ کے سامنے پیش کردے۔اس کے لئے ایک طرف تو یہ ضروری ہوتا ہے کہ وہ خود سبق کو اچھی طرح سمجھا ہوا ہو، اور دوسری طرف چونکہ وہ بھی ایک طرح کی تدریس ہوتی ہے، اس لئے یہ بھی ضروری ہوتا ہے کہ تکرار کرانے والے میں بات سمجھانے کی اچھی صلاحیت ہو۔ جب جماعت میں اس صلاحیت کے حامل ایک سے زیادہ طلبہ ہوں تو وہ تکرار کرانے کیلئے

باریاں بھی مقرر کرلیتے ہیں۔اور تجربہ یہ ہے کہ تکرار کا یہ طریقہ تمام طلبہ کیلئے نہایت مفید ہوتا ہے، اور خاص طور پر جو طلبہ تکرار کراتے ہیں، انہیں ساتھ ساتھ تدریس کی بھی اچھی مشق ہوجاتی ہے۔

میری جماعت میں کوئی میرا ہم عمر نہیں تھا۔سب مجھ سے بڑے تھے۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب تکرار کی جماعت بنتی، تو تکرار کرانے کی ذمہ داری مجھ سے بڑی عمر کے ساتھیوں ہی کے حصے میں آتی، اور میں عموماً تکرار میں سامع ہی کی حیثیت سے شریک ہوتا۔اکثر تکرار میرے بڑے بھائی حضرت مولانا مفتی محمد رفیع صاحب عثمانی مدظلہم کرایا کرتے تھے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں مضبوط علمی استعداد کے ساتھ فصاحت بیان بھی خوب عطا فرمائی ہے، اس لئے اُسی وقت سے ان کا تکرار طلبہ میں مقبول تھا۔میری زبان میں روانی نہیں تھی، اور میں اٹک اٹک کر بولا کرتا تھا۔ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں ساتھیوں کو اُلجھن ہوتی تھی۔اس لئے مجھے تکرار کرانے کا موقع کم دیا جاتا تھا، اور اس طرح مجھے اپنی اس کمزوری کو دور کرنے کا موقع بھی نہیں ملتا تھا۔

مجھے اپنی اس کمزوری کا احساس تھا، اور اُسے دور کرنے کی فکر بھی۔اس کا خداداد انتظام کچھ اس طرح ہوا کہ کوئٹہ کے ایک طالب علم جو عمر میں مجھ سے بہت زیادہ تھے، اور بلوچستانی پگڑی پہن کر اپنی قد وقامت میں مجھ سے دگنے لگتے تھے، سال کے درمیان عربی کے پہلے سال میں داخل ہوئے۔ان کے جو اسباق رہ گئے تھے، وہ انہوں نے مختلف ساتھیوں سے پڑھنے شروع کئے۔میں نے اُنہیں پیشکش کی کہ "عربی کا معلم" میں آپ کو پڑھاؤں گا۔وہ اپنے سے آدھی عمر کے ایک پتلے دبلے کھلنڈرے قسم کے طالب علم سے شاید پڑھنے کو راضی نہ ہوتے، لیکن میں دارالعلوم کے مختلف اجتماعات میں عربی کی جو رٹی رٹائی تقریریں کرلیا کرتا تھا، ان کی وجہ سے طلبہ میں میری کمسنی کے باوجود میری عربی دانی کا کچھ تأثر بیٹھا ہوا تھا، اس لئے انہوں نے مجھ سے پڑھنا منظور کرلیا، اور میں نے دوپہر کو چوتھے گھنٹے کے بعد انہیں عربی کا معلم پڑھانا شروع کردیا۔

انہیں پڑھانے کے لئے جو وقت طے ہوا تھا، اس کا انتظار اور اشتیاق داڑھی والے "شاگرد" کے بجائے بارہ سالہ "استاد" کو زیادہ رہتا تھا۔جونہی چوتھا گھنٹہ بجتا، میں بلا تاخیر مقررہ جگہ پہنچ کر ان کا انتظار کرتا۔وہ کچھ بے نیاز سے واقع ہوئے تھے۔اطمینان سے تشریف لاتے، اور مجھے ان کے انتظار میں ایک ایک منٹ بھاری معلوم ہوتا۔کبھی کبھی بغیر اطلاع کے ناغہ بھی فرمادیتے، اور میں اس کشمکش میں پڑ جاتا کہ اگر انہیں تلاش کرنے جاؤں، تو بظاہر یہ "استادی" کے وقار کے خلاف بات تھی، اور اگر تلاش نہ کروں، تو پڑھانے کی

لذت سے کیسے محروم رہوں؟ آخر کار پڑھانے کا شوق "استادی" کے وقار کو شکست دیدیتا، اور میں انہیں تلاش کرنے کیلئے مختلف درسگاہوں کی خاک چھانتا رہتا، اور وقت گذرنے کے بعد اگلے دن کا انتظار شروع کر دیتا۔ اگلے دن وہ بڑی بے نیازی سے آتے، تو میرا یہ حوصلہ بھی نہ تھا کہ اُن سے غیر حاضری کی وجہ پوچھتا، اور وہ اس طرح کتاب کھول لیتے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔ میں انہیں اردو سے عربی بنانے کا تحریری کام دیتا، تو کبھی کرلاتے، کبھی نہیں، میں اس کی باز پرس کرنے کی پوزیشن میں بھی نہیں تھا، کیونکہ اندیشہ تھا کہ کہیں وہ کل سے پڑھنا ہی بند نہ کر دیں، اور میں دیکھتا رہ جاؤں۔ مجھے تو اُن سے یہ فائدہ حاصل کرنا تھا کہ اُن کے سامنے سبق کی تقریر کر کے اپنی زبان میں روانی کی عادت ڈالوں، چنانچہ الحمد للہ! رفتہ رفتہ اپنا ما فی الضمیر دوسرے تک پہنچانے کی کچھ نہ کچھ عادت پڑتی گئی۔ وہ مجھے صبر وسکون سے برداشت کرتے رہے، اور میں ان کی شان بے نیازی کو برداشت کرتا رہا۔ یہاں تک کہ جب "عربی کا معلم" کا پہلا حصہ ختم ہوا، تو میرے انداز گفتگو میں کسی قدر اعتماد پیدا ہوگیا تھا۔ اس طرح درحقیقت وہی تدریس اور تقریر سکھانے میں میرے استاد تھے کہ انہی کے ذریعے مجھے انداز تکلم کی تربیت ملی۔ اب نہ جانے وہ کہاں ہیں؟ مجھے اب ان کا نام بھی یقین کے ساتھ یاد نہیں آرہا (ایسا یاد پڑتا ہے کہ ان کا نام شاید اختر محمد تھا) لیکن وہ جہاں بھی ہوں، اللہ تبارک وتعالی ان کو اپنی رحمتوں اور برکتوں سے نوازیں کہ ان کا مجھ پر بڑا احسان ہے۔

بہر حال! اس تربیتی کورس سے گذرنے کے بعد میری جماعت کے ساتھی بھی مجھ سے تکرار کرانے پر راضی ہوگئے۔ بھائی صاحب کی تکرار کی جو جماعت تھی، ان کی فصاحت بیان کی وجہ سے اُس کے لئے مجھے برداشت کرنا مشکل تھا، اس لئے میں نے کچھ ایسے ساتھی ڈھونڈ لئے جو میری کچی پکی زبان پر راضی رہ سکیں، اور اس طرح رفتہ رفتہ مجھے بھی تکرار کرانے کا موقع فراوانی سے مل گیا، اور اس سے گفتگو میں کچھ مزید بہتری پیدا ہوگئی۔

ایک مرتبہ ناظم آباد کراچی کے کسی ادارے نے سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر مدارس اور اسکولوں کے طلبہ کا ایک تقریری مقابلہ منعقد کیا جس میں تقریروں کا عنوان تھا : " رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بڑے شارع قانون تھے"۔ حضرت مفتی ولی حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ہم سے فرمایا کہ تم بھی اس میں حصہ لو۔ اس سے پہلے دارالعلوم کے اندرونی اجتماعات میں چند منٹ کی رٹی رٹائی عربی تقریر کے سوا باہر کے کسی جلسے میں کبھی تقریر کی نوبت نہیں آئی تھی، اس لئے کچھ ڈر بھی لگ رہا تھا، لیکن حضرتؒ نے ہمت

بندھائی، اور موضوع کے بارے میں کچھ اہم نکات نہ صرف بتائے، بلکہ کچھ املا بھی کرائے، اور میں نے اُنہی کی بنیاد پر وہاں تقریر کی۔ میری عمر اُس وقت تیرہ سال تھی۔ تقریری مقابلے میں مجھ سے کہیں زیادہ عمر کے حضرات بھی شریک تھے۔ اب یا تو یہ حضرت مفتی ولی حسن صاحب قدس سرہ کے بتائے ہوئے نکات کی کرامت تھی، یا پھر میری کمسنی پر فیصلہ کرنے والوں کو رحم آ گیا تھا کہ مجھے مقابلے میں پہلی پوزیشن ملی، اور انعام میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی " المرشد الامین " کا اردو ترجمہ مجھے دیا گیا۔ یہ کسی بھی عام جلسے میں میری پہلی تقریر تھی۔

دارالعلوم کراچی میں اُس وقت بڑے اصحاب علم وفضل اساتذہ کا گلدستہ جمع تھا۔ جن اساتذہ کا میں نے اوپر ذکر کیا، ان کے علاوہ حضرت مولانا منتخب الحق صاحب، حضرت مولانا مظہر بقا صاحب، سلہٹ کے حضرت مولانا عبید الحق صاحب، حضرت مولانا طاسین صاحب، حضرت مولانا محمد متین خطیب صاحب، حضرت مولانا مفتی محمد صابر صاحب رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سب وہاں اپنی تدریس کا فیض پھیلا رہے تھے۔ مجھے یہ بھی شوق تھا کہ جن اساتذہ کے پاس میرا کوئی سبق نہیں ہے، ان کی خدمت میں بھی کچھ وقت گذاروں۔ اس لئے ان حضرات کے پاس بھی کبھی کبھی چلا جاتا، اور یہ سب میرے بچپن کی وجہ سے مجھ پر بڑی شفقت فرماتے، اور اپنے تدریسی تجربات سے کچھ نہ کچھ رہنمائی فرماتے رہتے تھے۔

حضرت والد صاحب قدس سرہ کی شخصیت ایسی تھی کہ ملک بھر کے علماء کرام اور مشاہیر کا جب کراچی آنا ہوتا، تو وہ اُن سے ملاقات کیلئے ضرور تشریف لاتے، اور حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اُنہیں دارالعلوم میں دعوت دیکر یہ فرمائش بھی کرتے کہ وہ طلبہ کو نصیحت فرمائیں۔ چنانچہ حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ، حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ، حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ، حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ، حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہم کی اسی زمانے میں زیارت ہوئی۔ مجھے یاد ہے کہ حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ گیروے رنگ کے لباس میں ملبوس تھے، اور جب اُن سے کسی نے میرا تعارف کراتے ہوئے بتایا کہ میں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا چھوٹا بیٹا ہوں تو اُنہوں نے مجھے گود میں اُٹھالیا۔

نہر سویز پر امریکی اور برطانوی حملہ

اسی سال عالم اسلام کے لئے یہ خبر سب سے زیادہ وحشت ناک تھی کہ ۲۹/اکتوبر ۱۹۵۶ء کو اسرائیل نے

جزیرہ نمائے سینا پر حملہ کیا، اور اُس کے دو دن بعد برطانیہ اور فرانس نے مل کر نہر سویز پر حملہ کر دیا تھا۔ حضرت والد ماجد قدس سرہ پر اس واقعے کا بہت اثر تھا، اور اُس وقت ان کی خواہش یہ تھی کہ پورا عالم اسلام مصر کی مدافعت میں کھڑا ہو جائے، چنانچہ ایک طرف انہوں نے مختلف حکمرانوں اور عالم اسلام کی ممتاز شخصیات کو خطوط لکھے، اور خود بھی مسلمانوں کو مدد پہنچانے کیلئے ایک طبی وفد تیار کرنے کی کوشش کی، تاکہ کسی بھی طرح اس حملے کے خلاف مسلمانوں سے یکجہتی کا مظاہرہ کیا جاسکے۔

اسی سلسلے میں حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ چاہا کہ دارالعلوم میں بھی فوجی تربیت کا انتظام کیا جائے، تاکہ اگر کچھ رضا کار وہاں بھیجنے کی نوبت آئے تو کچھ تربیت یافتہ افراد بھیجے جاسکیں۔ لیکن فوری طور پر یہ ممکن نہ ہوا، تو حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے شہری دفاع کے محکمے سے رابطہ قائم فرما کر اُن کو آمادہ کیا کہ وہ اپنے کچھ انسٹرکٹر دارالعلوم میں بھیج کر طلبہ کو شہری دفاع کی تربیت دیں۔ چنانچہ روزانہ عصر کے بعد شہری دفاع کا تربیتی پروگرام شروع ہوگیا۔ سب سے پہلے کورس میں جناب بدرالحسن فاروقی صاحب نے ۷/نومبر ۱۹۵۶ء مطابق ۳/ربیع الثانی ۱۳۷۶ھ کو تربیت کے لئے آنا شروع کیا، اور شہری دفاع اور ابتدائی طبی امداد کی تربیت دینی شروع کی۔ ہم طلبہ نے اس کورس میں بڑے جوش وخروش سے حصہ لیا، میں اُس وقت اپنی عمر کے تیرہویں سال میں تھا، اور مجھے یاد ہے کہ ہم اُس وقت اس خوش فہمی میں تھے کہ یہ کورس آخر کار جہاد کی تربیت میں تبدیل ہو جائے گا۔ چنانچہ تصور ہی تصور میں اپنے آپ کو مصر کے میدان جنگ میں دیکھتے، اور اپنے طفلانہ ذہن کے مطابق اسرائیلیوں اور برطانویوں سے دو بدو لڑنے کے نقشے دل میں جمایا کرتے۔ جنگ تو آخر کار روس کی مداخلت سے ختم ہوگئی، اور جن علاقوں پر اسرائیل نے قبضہ کیا تھا، وہ آخر کار واپس کر دیئے گئے، لیکن ہم اس خوش فہمی پر کورس میں اُسی جوش وخروش سے حصہ لیتے رہے کہ شاید اور کچھ نہیں، تو جنگ کے زخمیوں کی امداد کیلئے کسی وقت ہمیں بھیج دیا جائے۔

میں فاروقی صاحب کے تمام لیکچروں کو قلم بند بھی کرتا تھا، اور وہ جو عملی مشقیں کراتے تھے، اپنی بساط کے مطابق ان میں بھی شامل رہتا تھا۔ ان لیکچروں کو جس کاپی میں لکھا، میں نے بعد میں اُسے فاروقی صاحب کو اسلئے دیا کہ وہ اُس پر نظر ثانی کرلیں۔ نظر ثانی تو انہوں نے نہ جانے کی یا نہیں لیکن چند دن بعد وہ کاپی اپنے اس نوٹ کے ساتھ مجھے واپس کردی:

"Though youngest of all the trainees yet paced with others throughout the training. Intelligent and keen student. Proved himself to be a willing worker. Remained anxious to learn more and more from his elders.

Recommended for higher training.

BH Farooqi.

Gen Instructor."

جب انہوں نے یہ عبارت لکھی، اُس وقت مجھے اتنی انگریزی نہیں آتی تھی کہ میں اس کا مطلب سمجھ سکوں۔ چنانچہ میں نے اپنے بڑے بھائی جناب مولانا محمد ولی رازی صاحب سے اُس کا ترجمہ کراکر اُس کے نیچے لکھوایا جو یہ تھا:

"اگرچہ طلباء میں سب سے زیادہ کمسن ہیں، لیکن تمام طلبہ کے ساتھ پوری ٹریننگ کے درمیان ساتھ ساتھ رہے، ذہین اور شوقین طالبعلم ہیں، خود میں مہارت پیدا کرنے کا شوق ہے، اپنے بڑوں سے سیکھنے کے ہمیشہ مشتاق۔ اعلیٰ ٹریننگ کیلئے بھیجا جائے"۔

جنگ تو ختم ہوچکی تھی، لیکن اس تربیت نے کم از کم نیت کی حد تک جہاد کا ایسا شوق پیدا کردیا کہ ہم نے بعد میں حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے درخواست کی کہ دارالعلوم میں باقاعدہ عسکری تربیت کا بھی انتظام کیا جائے، اور حضرتؒ نے جتنا قانونی حدود میں اُس وقت ممکن تھا، اُس کا انتظام دارالعلوم کی نئی عمارت میں منتقل ہونے کے بعد کیا جس کا کچھ تذکرہ شاید آگے آجائے۔

اس سال میرے امتحان سالانہ کا نتیجہ یہ تھا:

ہدایہ اولین: ۵۱، نورالانوار: ۵۰، مختصر المعانی: ۴۵، تلخیص المفتاح: ۴۷، سلم العلوم: ۴۰، دیوان متنبّی: ۴۹، خوشنویسی: ۴۵۔

☆☆☆

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب، دامت برکاتہم
نائب رئیس ــــــــــ جامعہ دار العلوم کراچی
ضبط وتخریج ــــــــــ محمد وصی فصیح بٹ

طویل بیماری میں علاج کی شرعی حیثیت

"Palliative Care اور اسلام" کے موضوع پر کی گئی تقاریر

اور متعلقہ شرعی مسائل کے جوابات

طویل اور لاعلاج بیماریوں کے پیچیدہ مراحل اور متعلقہ جدید آلات کے بارے میں ڈاکٹر حضرات کو متعدد شرعی مسائل کا سامنا رہتا ہے۔ اس سلسلے میں ملک کے معروف نجی ہسپتال انڈس ہسپتال کی انتظامیہ نے ۳۱رمئی ۲۰۱۸ء کو ایک سیمینار منعقد کیا جس میں شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم نے اپنے مفصل خطاب میں علاج معالجہ کے بارے میں اصولی شرعی ہدایات بیان فرمائیں اور متعلقہ سوالات کے جوابات دیے۔ سیمینار میں شہر بھر کے کثیر معالجین نے شرکت فرمائی اور انٹرنیٹ کے ذریعے دنیا بھر کے اطبا نے اس سے استفادہ کیا اور اسے اپنے شعبہ کے بہت سارے مسائل کا حل قرار دیا۔ اس بیان کی اہمیت کو سامنے رکھتے ہوئے ڈاکٹرز کی ایک تنظیم پیما نے اپنی سالانہ کانفرنس منعقدہ ۲۱راکتوبر ۲۰۱۸ء میں حضرت والا مدظلہم کو دوبارہ دعوتِ خطاب دی جہاں آپ نے اس موضوع پر مزید تفصیل سے روشنی ڈالی۔ جامعہ دار العلوم کراچی کے فاضل مولانا محمد وصی صاحب نے دونوں بیانات کو یکجا کر کے تحریری شکل دی اور دلائل ومسائل کے حوالہ جات بھی درج کیے۔ قارئین کے افادہ کے لئے مذکورہ تحریر شائع کی جارہی ہے۔ــــــــــــــــ(ادارہ)

بسم الله الرحمن الرحيم الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام على سيدنا ومولانامحمد خاتم النبيين وامام المتقين وعلى اله واصحابه وعلى كل من تبعهم باحسان الى يوم الدين.

معزز ڈاکٹر صاحبان، معزز حاضرین اور میرے بھائیو و بہنو!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

یہ میرے لیے مسرت واعزاز کی بات ہے کہ میں اب تک تو آپ حضرات کی خدمت میں خود اپنی حاجت لے کر آتا رہا ہوں اور آپ سے اپنی یا اپنے کسی عزیز کی صحت کے لیے مدد طلب کرتا رہا ہوں۔ آج آپ نے اپنی محبت کی بناء پر مجھے اس محفلِ مذاکرہ میں ایک مہمان کے طور پر آنے کی عزت بخشی، اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے اس کی لاج رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ڈاکٹرز کے لیے خوش خبری

پہلی بات تو میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جتنے حضرات طب کے پیشہ سے وابستہ ہیں، لوگوں کی بیماریوں کا علاج کرنے میں مصروف رہتے ہیں، ان کے لیے حضور نبی کریم سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک عظیم بشارت ہے جو صحیح حدیث میں وارد ہوئی ہے:

مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ (۱)

ترجمہ": جو شخص کسی بھی مسلمان کی کوئی بے چینی دور کرے، اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی قیامت کی بے چینیوں میں سے کوئی نہ کوئی بے چینی دور کریں گے۔"

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اگرچہ اس حدیث میں لفظ مسلمان کا استعمال ہوا ہے، لیکن یہ لفظ اس لیے حدیث میں استعمال ہوا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطب عام طور سے مسلمان ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری احادیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ انسانی ہمدردی اور انسانی راحت رسانی کا ثواب

(۱) صحيح مسلم ، كتاب الذكر والدعاء ، باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن وعلى الذكر ، رقم الحديث :۳۸_(۲۶۹۹)

صرف اسی صورت میں نہیں ہے جب کوئی شخص کسی مسلمان کی خدمت کر رہا ہو بلکہ کسی غیر مسلم کی راحت رسانی اور اس کی کسی بے چینی کو دور کرنا بھی باعثِ اجر وثواب ہے۔ انسانی ہمدردی کے جتنے راستے ہوتے ہیں ان سب پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑا اجر وثواب ہے۔

ڈاکٹر کیا نیت کریں؟

یوں تو دنیا میں اللہ تعالیٰ نے بہت سے پیشے پیدا کیے ہیں اور انسان اپنی اپنی سوچ و پسند کے مطابق کوئی نہ کوئی پیشہ اختیار کر لیتا ہے لیکن یہ طب کا پیشہ، یعنی لوگوں کے علاج کا پیشہ، اس لحاظ سے بہت عظیم و مبارک پیشہ ہے کہ یہ خدمتِ خلق کا ایک بہت عظیم کام ہے۔ فرق صرف نیت کا ہے، زاویہ نگاہ کی تبدیلی کا ہے۔ اگر کوئی آدمی یہ پیشہ صرف اس لیے اختیار کرتا ہے کہ پیسے کماؤں گا اور پیسے کمانے کے علاوہ اس کے ذہن میں کوئی اور تصور نہیں ہے۔ اس کے تمام فیصلوں کی بنیاد صرف یہی بات ہے کہ جہاں مجھے زیادہ پیسے ملیں گے، جس طریقے میں مجھے زیادہ دولت حاصل ہوگی، میں وہی طریقہ اختیار کروں گا۔ اس کے ذہن میں انسانی ہمدردی یا کسی انسان کو تکلیف سے بچانے کی کوشش ثانوی (دوسرے) درجہ میں ہے یا سرے سے ہے ہی نہیں، اللہ تعالیٰ بچائے، تو ٹھیک ہے، بس اس نے ایک پیشہ اختیار کر لیا ہے۔ جائز حدود میں ہو تو یہ کوئی منع نہیں ہے لیکن اس پر کوئی ثواب بھی نہیں ہے۔ جیسے کوئی شخص بازار میں سبزی بیچکر پیسہ کما رہا ہے تو یہ شخص اپنی طبی خدمات کو بیچ کر پیسہ کما رہا ہے، اُس میں اور اِس میں کوئی فرق نہیں ہے۔

لیکن اگر آدمی کی اصل نیت یہ ہے کہ میں یہ پیشہ اس لیے اختیار کر رہا ہوں کہ اس کے ذریعے میں لوگوں کی بے چینیوں کو دور کر سکوں، لوگوں کو راحت پہنچا سکوں، لوگوں کے ساتھ ہمدردی کر سکوں اور چونکہ میرے ساتھ میری ذاتی ضروریات بھی لگی ہوئی ہیں اس لیے میں اس پر کوئی فیس بھی وصول کرتا ہوں یا کوئی ذاتی منفعت بھی حاصل کرتا ہوں لیکن میرا اصل مقصد انسانیت کی خدمت و ہمدردی ہے، تو یہ سارا پیشہ بہت بڑی عبادت بن جاتا ہے۔ اس کا ایک ایک لمحہ عبادت بن جاتا ہے۔

مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست
تصوف بجز خدمتِ خلق نیست

یعنی محض تسبیح اٹھا کر تسبیح پڑھتے رہنا، مصلّٰی بچھا کر نماز پڑھتے رہنا اور بوسیدہ قسم کا لباس پہنے رہنا، یہ کوئی تصوف کی بات نہیں ہے، یہ صوفی بننا نہیں ہے، بلکہ جتنا آدمی مخلوق کی خدمت کر رہا ہوگا، اتنا ہی بڑا صوفی ہوگا، اور وہ اللہ تعالیٰ سے اتنا ہی قریب ہوگا۔

نیز شفا دینے والا تو اللہ تعالی ہے، معالج تو بس یہی کرتا ہے کہ اپنے علم کے مطابق مریض کا علاج کرے۔ اگر اس مریض کو شفا مل جاتی ہے، بے چینی دور ہو جاتی ہے، اس کی زندگی بہتر ہو جاتی ہے تو اس بہتر زندگی کے نتیجے میں جتنے وہ نیک کام کرے گا، وہ سارے اس معالج کے نامۂ اعمال میں لکھے جائیں گے جس کے ذریعے اللہ تعالی نے اسے یہ موقع فراہم کیا کہ وہ اپنی زندگی میں اچھے کام کر سکے اور دوسروں کے کام آ سکے۔

اس لیے یہ بہت عظیم عبادت ہے اور بات صرف نیتوں کے فرق کی ہے۔ لیکن نیت کی درستگی انسان کے طرزِ عمل سے ظاہر ہوتی ہے۔ آدمی یہ کہدے کہ میری نیت فلاں قسم کی ہے لیکن اس نیت کا صحیح ٹیسٹ اور صحیح مظاہرہ انسان کے عمل سے ہوتا ہے۔ اگر وہ خدمت کی نیت سے یہ کام کر رہا ہے تو اس کا طرزِ عمل اس شخص سے بالکل مختلف ہوتا ہے جس کی نیت صرف پیسہ کمانا ہو۔ ایسے شخص کے دل میں ہمدردی ہوتی ہے، اس کے دل میں دوسروں کا درد ہوتا ہے۔ اس کا رویہ و اخلاق اور مریضوں کے ساتھ اس کا طرزِ عمل (interaction) بتاتا ہے کہ اس کے دل میں کیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ آج کل صورتحال ایسی ہے کہ جہاں بھی چلے جائیں مریضوں کی قطار لگی ہوتی ہے، لوگوں کا ہجوم ہوتا ہے، سب کو نمٹانا ہوتا ہے۔ ایسے میں انسان میں جھنجھلاہٹ پیدا ہو جاتی ہے اور انسان کو غصہ بھی آ جاتا ہے۔ لیکن اس جھنجھلاہٹ اور غصہ کو کوئی چیز روک سکتی ہے تو وہ صرف صحیح نیت ہے۔ اگر میں خدمت کی نیت سے یہ کام کر رہا ہوں تو میرا فرض ہے کہ میں مریضوں سے معاملہ اخلاق کے ساتھ کروں، دیانتداری سے کروں اور ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کروں۔ جب تک یہ بات پیدا نہیں ہو جاتی، خدمت عبادت نہیں بن سکتی۔

مریض کی خدمت اور اس کو مطمئن کرنا معالج کا فریضہ ہے۔ اگر ہجوم کے باوجود بھی وہ اپنے آپ کو قابو میں رکھے تو اس کی بڑی فضیلت ہے۔ اصل میں ڈاکٹر تو سمجھتا ہے کہ اصل مسئلہ کیا ہے لیکن مریض شروع سے آخر تک پوری کہانی سنانا شروع کرتا ہے۔ اب ڈاکٹر چاہتا ہے کہ مریض صرف اصل مسئلہ بتائے جبکہ مریض پوری داستان سناتا ہے، وقت ضائع کرتا ہے۔ اب اس میں ایک طریقہ تو یہ ہے کہ مریض کو ڈانٹ دیا جائے کہ

فضول باتیں مت کرو۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اس سے نرمی سے کہدیا جائے کہ بھائی آپ کی سب باتیں درست ہیں لیکن میں صرف یہ بات جاننا چاہتا ہوں۔

خود ہمارے ساتھ فتوی دینے مین یہی صورتِ حال پیش آتی ہے۔لوگ طلاق کا مسئلہ پوچھنے آتے ہیں۔ وہ نکاح کے وقت سے کہانی سنانا شروع کرتے ہیں کہ شروع میں تعلقات اچھے رہے، ایک دن میں باہر نکلا، بیوی بہت غصہ میں تھی، میں واپس آیا تو اس نے مجھے بہت برا بھلا کہا، میں نے شروع میں نرمی کا معاملہ کیا ---------اب وہ یہ ساری داستان سنا رہا ہے جبکہ پوچھنا صرف یہ ہے کہ طلاق ہوئی یا نہیں ہوئی ؟ اب اصل مسئلہ یہ ہے کہ طلاق کے سلسلے میں الفاظ کیا کہے تھے۔باقی باتیں غیر متعلقہ ہیں۔ ایسی صورتحال میں غیر متعلقہ باتوں پر صبر کرنے کی بڑی فضیلت ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک شخص تنہائی میں بیٹھا ہے، ذکر کر رہا ہے، نوافل پڑھ رہا ہے، تلاوت کر رہا ہے، اس سے ہزار درجہ بہتر وہ شخص ہے جو لوگوں کے ساتھ معاملات کر رہا ہے اور ان سے پہنچنے والی تکالیف پر صبر کر رہا ہے۔(۱)

میں آپ حضرات کو مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ آپ حضرات نے الحمدللہ یہ پیشہ اختیار کیا اور اسی نیت سے اختیار کیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج کا یہ اجتماع اسی طب کے ایک اہم موضوع پر ہو رہا ہے کہ جن مریضوں کا علاج ناممکن ہو جائے ،جن پر علاج کے تمام طریقے آزمائے جاچکے ہوں تو ان کے ساتھ کس طرح معاملہ کیا جائے اور کس طرح ان کو راحت پہنچائی جائے۔

اللہ تبارک وتعالی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چند بنیادی ہدایات فراہم کی ہیں، جن کو اگر ہم مدنظر رکھیں تو ہمارے بہت سے مسائل کا حل مل جاتا ہے۔

پرہیز وتدبیر کی اہمیت

پہلی بات یہ ہے کہ آدمی کو بیماری مانگنی نہیں چاہیے، اللہ تعالی سے ہمیشہ عافیت ہی مانگنی چاہے۔رسول کریم

---

(۱) إِنَّ الْمُسْلِمَ إِذَا كَانَ مُخَالِطًا النَّاسَ وَيَصْبِرُ عَلَى أَذَاهُمْ خَيْرٌ مِنَ الْمُسْلِمِ الَّذِي لَا يُخَالِطُ النَّاسَ وَلَا يَصْبِرُ عَلَى أَذَاهُمْ۔ترجمہ :وہ مسلمان جو لوگوں سے ملتا جلتا ہو اور لوگوں سے پہنچنے والی تکالیف پر صبر کرتا ہو، اس مسلمان سے بہتر ہے جو نہ لوگوں سے ملتا جلتا ہے اور نہ ہی ان کی تکالیف پر صبر کرتا ہے۔(جامع الترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ، الرقم:۲۵۰۷)

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگو(۱)۔لہٰذا آدمی کو بیماری مانگنی نہیں چاہئے اور نہ ہی اپنے اختیار سے ایسا کام کرنا چاہئے جس کا نتیجہ بیماری کی شکل میں آئے، بلکہ اسے حتی الامکان پرہیز کرنا چاہیے کہ یہ بیماری نہ آئے۔ معالجین کے فرائض میں بھی یہ بات داخل ہے کہ جس طرح وہ بیمار ہو جانے کے بعد لوگوں کا علاج کرتے ہیں، اسی طرح بیمار ہونے سے پہلے بھی لوگوں کو ایسی تدابیر بتائی جائیں جن سے وہ بیماری سے بچ سکیں۔ان کو Preventive Measures کہہ سکتے ہیں۔یہ بھی دین کا حصہ ہے۔

ایک حدیث میں ہے :

"إِذَا سَمِعْتُمْ بِالطَّاعُونِ بِأَرْضٍ فَلَا تَدْخُلُوهَا، وَإِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ وَأَنْتُمْ بِهَا فَلَا تَخْرُجُوا مِنْهَا "(۲)

ترجمہ: جب تم سنو کہ کسی جگہ طاعون کی وبا پھیل رہی ہے تو وہاں مت جاؤ اور اگر کسی جگہ یہ وبا پھوٹ پڑے اور تم وہیں موجود ہو تو اس جگہ سے نکلو بھی مت۔

یہ حکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ سے شام کا دورہ کرنے کے لئے نکلے۔پتہ چلا کہ شام کے علاقے میں طاعون پھیلا ہوا ہے۔اب یہ مسئلہ پیدا ہوا کہ اس طاعون زدہ علاقے میں جانا مناسب و مفید ہے یا نہیں؟ کیا واپس لوٹ جائیں یا سفر جاری رکھیں؟ شروع میں تردد اس لئے ہوا کہ ہم شام کا ارادہ کر چکے ہیں اور یہ سفر ایک دینی مقصد کے تحت کرنے جا رہے ہیں اور محض اس وجہ سے کہ وہاں طاعون پھیلا ہوا ہے تو کیا ہم اس سے رک جائیں؟ ہم تو اللہ کے دین کے لیے نکلے ہیں، محض بیماری کے خوف سے رک جانا شاید ٹھیک نہیں؟ دوسری طرف یہ خیال آتا تھا کہ طاعون کی بیماری اس شدت کے ساتھ پھیلی ہوئی ہے کہ اس میں ہزارہا افراد شہید ہو چکے ہیں۔ایک پورا قبرستان آج اردن میں موجود ہے جس میں اس طاعون سے شہید ہونے والے افراد کی قبریں ہیں۔لہٰذا وہاں جانا تو اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے والی بات نظر آتی ہے۔حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس سلسلے میں مشورہ طلب کیا اور مشورہ سے یہ فیصلہ فرمایا کہ ایسی حالت میں ہمیں وہاں نہیں جانا چاہے تو حضرت ابوعبیدہ بن جراح

---

(۱) أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- قَالَ :لاَ تَتَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ ، وَسَلُوا اللَّهَ الْعَافِيَةَ (صحيح البخاري، كتاب التمنى، باب كَرَاهِيَةِ التَّمَنِّى لِقَاءَ الْعَدُوِّ، رقم الحديث:۷۲۳۷)

(۲)صحيح البخاري، كتاب الطب، باب مَا يُذْكَرُ فِي الطَّاعُونِ ، رقم الحديث:۵۷۲۸)

رضی اللہ عنہ جو شام کے فوج کے سپہ سالار تھے، عرض کیا:

أَفِرَارًا مِنْ قَدَرِ اللّٰهِ

کیا آپ اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے بھاگنا چاہتے ہیں؟

یعنی طاعون جو پھیل رہا ہے وہ اللہ کی تقدیر سے پھیل رہا ہے تو جو کچھ ہوگا دیکھا جائے گا۔ آپ اللہ کی تقدیر سے بھاگنا چاہتے ہیں؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

نَعَمْ نَفِرُّ مِنْ قَدَرِ اللّٰهِ إِلَى قَدَرِ اللّٰهِ

جی ہاں! ہم اللہ کی تقدیر سے اللہ کی تقدیر ہی کی طرف بھاگ رہے ہیں۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ نہیں کہا کہ اللہ کی تقدیر کے بھروسہ پر بیٹھ جایا کرو بلکہ یہ کہا ہے کہ تمہارے اختیار میں جو اسباب ہیں ان کو اختیار کرو، پھر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو کہ وہ ان اسباب میں تاثیر پیدا کرے۔ کچھ دیر بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی تشریف لے آئے جنہوں نے یہ حدیث سنائی جو پہلے عرض کی:

إِذَا سَمِعْتُمْ بِهِ بِأَرْضٍ فَلاَ تَقْدَمُوا عَلَيْهِ ، وَإِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ وَأَنْتُمْ بِهَا فَلاَ تَخْرُجُوا فِرَارًا مِنْهُ (۱)

ترجمہ: جب تم کسی سرزمین میں (وبا کے متعلق) سنو تو وہاں نہ جاؤ اور جب ایسی جگہ وبا آجائے جہاں تم خود موجود ہو تو وہاں سے فرار اختیار کرتے ہوئے مت نکلو۔

اس ارشادِ نبوی کی بہت سی تفسیریں کی گئی ہیں لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ Preventive قسم کی تدبیر بیان فرمائی کہ اندر کے لوگ باہر نہ جائیں تاکہ بیماری کے اثرات باہر نہ پہنچیں اور باہر کے لوگ اندر نہ جائیں تاکہ وہ بیماری کے اثرات سے محفوظ رہ سکیں (۲)۔ لہٰذا اللہ تبارک وتعالیٰ

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الطب، باب مَا يُذْكَرُ فِي الطَّاعُونِ ، رقم الحديث: 5729

(۲) (إذا سمعتم بالطاعون بأرض) أى إذا بلغكم وقوعه فى بلدة أو محلة (فلا تدخلوا عليه) أى يحرم عليكم ذلک لأن الإقدام عليه جراء ة على خطر وإيقاع للنفس فى التهلكة والشرع ناه عن ذلک قال تعالى ولا تلقوا بأيديكم إلى التهلكة .) التيسير بشرح الجامع الصغير للمناوى ،(حرف الهمزة: ۱/ ۲۱۵) وَفِي هَذَا الْحَدِيثِ الِاحْتِرَازُ مِنَ الْمَكَارِهِ وَأَسْبَابِهَا(شرح النووى على مسلم، كتاب السلام،باب الطاعون =

نے ہمیں احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اور اس کی قرآن وسنت میں دیگر مثالیں بھی موجود ہیں۔

علاج معالجہ کے بارے میں ایک غلط تصور

دوسرا مسئلہ جو بنیادی طور پر سمجھنے کا ہے وہ یہ ہے کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ علاج کرنا شرعاً فرض یا واجب ہے۔ یہ بات شرعاً درست نہیں ہے۔ بیماری کا علاج کرنا مباح ہے، جائز ہے [1] اور ایک لحاظ سے دیکھا جائے تو سنت ہے [2]۔ اگر کوئی شخص علاج نہیں کرواتا اور اسی پر مطمئن ہے تو اس کو مجبور کرنا کہ تم علاج کرواؤ کیونکہ اگر نہیں کرواؤ گے تو گناہ گار ہوگے، یہ شرعی اعتبار سے درست بات نہیں ہے [3]۔ اس کو ترغیب تو دی جاسکتی ہے، اسے کہا جاسکتا ہے کہ علاج کرواؤ اور یہ علاج کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے علاج کروایا ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو علاج کے طریقے بتائے ہیں [4]۔

طبِ نبوی پر تحقیق کی ضرورت

ہماری حدیث کی کتابوں میں کتاب الطب کے عنوان سے پورا ایک باب (chapter) ہوتا ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے علاج اور ان سے متعلقہ احادیث جمع کی جاتی ہیں۔ لوگوں نے طب نبوی کے نام سے اس پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ اردو، عربی اور انگریزی میں اس موضوع پر اچھا

= والطیرة: ۲۶۴/۷... إنه تعالى شرع لنا التوقي عن المحذور وقد صح أن المصطفى صلى الله عليه وسلم لما بلغ الحجر منع أصحابه من دخوله (فيض القدير: ۴/ ۲۸۶)

(۱) وَأَمَّا التَّدَاوِی فَلَيْسَ بِوَاجِبٍ عِنْدَ جَمَاهِيرِ الْأَئِمَّةِ .وَإِنَّمَا أَوْجَبَهُ طَائِفَةٌ قَلِيلَةٌ كَمَا قَالَهُ بَعْضُ أَصْحَابِ الشَّافِعِيِّ وَأَحْمَد (مجموع الفتاوی، کتاب الجنائز: ۲۴/ ۲۶۹)

(۲) وَلَا بَأْسَ بِالْحُقْنَةِ لِأَنَّهَا مِنْ بَابِ التَّدَاوِی وَأَنَّهُ أَمْرٌ مَنْدُوبٌ إِلَيْهِ قَالَ النَّبِیُّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (تَدَاوَوْا فَإِنَّ اللَّهَ تَعَالَى لَمْ يَخْلُقْ دَاءً إِلَّا وَقَدْ خَلَقَ لَهُ دَوَاءً إِلَّا السَّامَ وَالْهَرَمَ). (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، كِتَابُ الِاسْتِحْسَانِ: ۱۲/ ۱۱)

(۳) الامتناع من التداوی فی حالة المرض لا يعتبر انتحارا عند عامة الفقهاء ، فمن كان مريضا وامتنع من العلاج حتى مات، لا يعتبر عاصيا، إذ لا يتحقق بأنه يشفيه.) الموسوعة الفقهية الكويتية: ۶/ ۲۸۳

(۴) فكان من هديه صلى الله عليه و سلم فعل التداوی فی نفسه والأمر به لمن أصابه مرض من أهله وأصحابه(زاد المعاد فی هدی خير العباد، الطب النبوی: ۹/ ۴)

خاصا لٹریچر موجود ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے امراض کا علاج خود بتایا ہے اور ان کو اختیار کرنے کی لوگوں کو ترغیب بھی دی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان پر باقاعدہ ریسرچ کی جائے۔ وہ علاج زیادہ تر جڑی بوٹیوں کا علاج ہے جن سے آپ نے بعض امراض کی دوائیں بتائی ہیں۔ ان پر ریسرچ کی ضرورت ہے۔ افسوس ہے کہ ہم ان پر ابھی تک پوری ریسرچ نہیں کر سکے۔

مثلاً رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کلونجی کے بارے میں فرمایا:

إِنَّ هَذِهِ الْحَبَّةَ السَّوْدَاءَ شِفَاءٌ مِنْ كُلِّ دَاءٍ إِلَّا مِنَ السَّامِ (۱)

ترجمہ: بے شک یہ کلونجی تمام بیماریوں کا علاج ہے، سوائے موت کے۔

لیکن کس مرض میں کلونجی کو کس طریقے سے استعمال کیا جائے، یہ تفصیل احادیث میں نہیں ملتی۔ صرف ایک عام دعوت دی گئی ہے کہ کلونجی کو ہر قسم کے مرض میں علاج کے طور پر استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اب کس جگہ کلونجی کا فائدہ اسے کھانے سے ہوگا، کس جگہ اس کو کسی اور چیز کے ساتھ ملا کر کھانے سے فائدہ ہوگا، کس جگہ اس کو پیس کر استعمال کرنے سے فائدہ ہوگا، کس جگہ اس کے تیل سے فائدہ ہوگا، کس جگہ اس کے بیرونی استعمال سے فائدہ ہوگا۔ یہ سب ممکنات ہیں۔ اس پر ریسرچ کی ضرورت ہے کیونکہ یہ بات کسی عام انسان کی نہیں ہے، بلکہ اس ذات کی ارشاد فرمائی ہوئی ہے جس کے بارے میں قرآنِ کریم نے فرمادیا:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَى

ترجمہ: اور یہ (نبی کریم) اپنی خواہش سے کچھ نہیں بولتے۔ یہ تو خالص وحی ہے جو ان کے پاس بھیجی جاتی ہے۔ (۲)

لہٰذا جب آپ نے اتنا بڑا ارشاد فرمادیا تو ضرورت ہے کہ اس پر ریسرچ کر کے دیکھیں کہ کس مرض میں کلونجی کو کس طریقے سے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ آج ہماری افسوس ناک صورتحال یہ ہے کہ ہم ہر چیز میں مغربی تحقیق پر انحصار (Depend) کرتے ہیں اور جو ہمارے پاس اثاثہ موجود ہے اس پر ریسرچ کرنے کا کوئی قابلِ ذکر اہتمام نہیں کرتے۔ بعض حضرات نے اس پر کام کیا ہے لیکن وہ کوئی قابلِ ذکر کام نہیں

(۱) صحیح البخاری، کتاب الطب، باب الْحَبَّةِ السَّوْدَاءِ، الرقم: ۵۶۸۷

(۲) سورۃ النجم، آیت: ۳، ۴

ہے۔ ہمارا ملک ہربل میڈیسن سے معمور ہے۔ ہمارے جنگلات میں ایسی جڑی بوٹیاں پائی جاتی ہیں جو مختلف امراض میں کارآمد ہوسکتی ہیں۔ان پر ریسرچ کی ضرورت ہے۔

حکیم محمد سعید صاحب مرحوم نے اس پر کام شروع کیا تھا لیکن افسوس ہے کہ وہ شاید پایہ تکمیل تک نہیں پہنچ سکا۔میرے کئی عرب دوستوں نے اس پر کام شروع کیا ہے، وہ متعدد کتابیں لکھ چکے ہیں۔کلونجی کے فوائد پر ایک شامی ڈاکٹر نے کتاب لکھی ہے اور اپنی تحقیق کے مطابق مختلف بیماریوں میں کلونجی کے استعمال کے طریقے بھی لکھے ہیں۔لیکن باقاعدہ ومنظم شکل میں اس پر کام نہیں ہوا ہے۔میری گزارش ہے کہ ڈاکٹرز کی یہ تنظیم اس کام کی طرف متوجہ ہو۔اس سلسلے میں ہم سے جو خدمت ہوسکی، ہم اس کے لیے حاضر ہیں۔

علاج معالجہ مسنون ہے

بہرحال علاج کرنا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، آپ نے اس کی ترغیب بھی دی اور اس کے بہت سے طریقے بھی بتائے لیکن اس کے باوجود اگر کوئی شخص علاج نہیں کرواتا تو ہم اسے یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ ایک شرعی فریضہ کو چھوڑے ہوئے ہے اور اس کے لئے علاج چھوڑنا ناجائز ہے۔

فیصلہ کرنے والا مریض ہے، یعنی اگر میں بیمار ہوں تو میں فیصلہ کروں گا کہ میں علاج کروانا چاہتا ہوں یا نہیں ۔اُس کے لیے سنت ہے کہ علاج کروائے ،لیکن فرض یا واجب نہیں۔لہٰذا اگر میں فیصلہ کرتا ہوں کہ میں علاج نہیں کرواتا تو مجھے کوئی مجبور نہیں کرسکتا(۱)۔لیکن یہ مریض اگر کسی طبیب کے پاس جاتا ہے علاج کروانے کے لیے کہ میرا علاج کرو تو طبیب کی ذمہ داری ہے کہ اس کا علاج کرے، انکار نہ کرے۔تو دوسرا اہم اصول یہ ہے کہ علاج واجب نہیں ہے، فرض نہیں ہے۔صرف سنت ہے۔

موہوم علاج ناپسندیدہ ہے

تیسری بات یہ ہے کہ یہ ہدایت ہمیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں ملی ہے کہ ممکنہ حد تک مریض کے جسمانی عوارض، عمر، خاندانی ، مالی و دیگر حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے اعتدال کے ساتھ علاج کرنا

---

(۱) وفی النوازل :الرجل إذا ظهر به داء ، فقال له الطبیب :قد غلبک الدم فأخرجه، فلم یخرجه حتی مات لا یکون ماخوذاً؛ لأنه لا یعلم یقیناً أن الشفاء فیه، وفیه أیضاً :استطلق بطنه، أو رمدت عینه، فلم یعالج حتی أضعفه ومات بسببه لا إثم علیه؛(المحیط البرهانی فی الفقه النعمانی، کتاب الاستحسان والکراهیة ، الفصل التاسع عشر فی التداوی والمعالجات: ۵/۲۴۰)

سنت ہے۔ یہ میں بہت احتیاط کے ساتھ الفاظ استعمال کررہا ہوں۔ اعتدال کا مطلب ہے کہ نارمل طریقے سے جو علاج ہے وہ تو سنت ہے۔ لیکن نارمل سے آگے بڑھ کر ایسے طریقے اختیار کرنا جو Extreme قسم کے ہیں، وہ نہ واجب ہیں نہ سنت ہیں، صرف مباح (permissible) ہیں لیکن کراہت (ناپسندیدگی) کے ساتھ۔ یعنی ایسے Abnormal طریقے جن میں مریض کی تکلیف کا پہلو زیادہ ہے یا یقینی ہے، یا وہ انتہائی علاج ہے کہ اس سے شفایاب ہونا موہوم ہے، مثلاً 10% امید ہے کہ فائدہ پہنچ جائے 90% خیال یہ ہے کہ فائدہ نہیں ہوگا اور تکلیف بھی ہوگی۔ اس علاج کے بارے میں شریعت میں صرف اتنی بات نہیں ہے کہ اس کو ضروری نہیں سمجھا گیا بلکہ اس سے بچنے کی طرف شریعت کا رجحان ہے۔(۱)

یقینی علاج فرض و واجب ہے

بعض صورتیں علاج کی ایسی ہوتی ہیں جو فرض و واجب بھی ہوتی ہیں۔ مگر وہ صورتیں درحقیقت علاج میں داخل نہیں ہیں۔ جیسے ایک شخص پیاس سے مر رہا ہو، اس وقت اس کے لیے پانی پینا فرض ہے۔ اگر نہیں پیے گا اور مر جائے گا تو خودکشی کا گناہ گار ہوگا۔ یہاں تک اگر پیاس بجھانے کے لیے کوئی حلال چیز موجود نہیں ہے اور معاذ اللہ شراب رکھی ہے جسے پی کر وہ جان بچا سکتا ہے، اس وقت اس شخص کے ذمے شراب پینا فرض ہے، اگر کوئی دوسری چیز موجود نہیں ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ اسے پی کر جان بچائے کیونکہ پانی یا کسی سیال (liquid) کا پیاس بجھا دینا یہ ایک یقینی چیز ہے، لہٰذا شریعت نے جان بچانے کے لیے اسے اختیار کرنا

---

(۱) قال الغزالی :إن المریض لو علم بالقطع الشفاء ثم لم یداو به فهو عاص مثل الجائع الذی عنده طعام ، ولو کان الشفاء مظنوناً فهو فی حد الجواز ، ولو کان موهوماً فترک ذلک الدواء أحسن وهو توکل .(العرف الشذی شرح سنن الترمذی، کتاب الطّبّ، باب ما جاء فی الدواء والحث علیه:۳/۲۴۸)
اعْلَمْ بِأَنَّ الْأَسْبَابَ الْمُزِيلَةَ لِلضَّرَرِ تَنْقَسِمُ إلَى مَقْطُوعٍ بِهِ كَالْمَاءِ الْمُزِيلِ لِضَرَرِ الْعَطَشِ وَالْخُبْزِ الْمُزِيلِ لِضَرَرِ الْجُوعِ وَإِلَى مَظْنُونٍ كَالْفَصْدِ وَالْحِجَامَةِ وَشُرْبِ الْمُسْهِلِ وَسَائِرِ أَبْوَابِ الطِّبِّ أَعْنِي مُعَالَجَةَ الْبُرُودَةِ بِالْحَرَارَةِ وَمُعَالَجَةَ الْحَرَارَةِ بِالْبُرُودَةِ وَهِيَ الْأَسْبَابُ الظَّاهِرَةُ فِي الطِّبِّ وَإِلَى مَوْهُومٍ كَالْكَيِّ وَالرُّقْيَةِ أَمَّا الْمَقْطُوعُ بِهِ فَلَيْسَ تَرْكُهُ مِنْ التَّوَكُّلِ بَلْ تَرْكُهُ حَرَامٌ عِنْدَ خَوْفِ الْمَوْتِ وَأَمَّا الْمَوْهُومُ فَشَرْطُ التَّوَكُّلِ تَرْكُهُ إذْ بِهِ وَصَفَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَآلِهِ الْمُتَوَكِّلِينَ(الفتاوی الهندیة، كِتَابُ الْكَرَاهِيَةِ، الْبَابُ الثَّامِنَ عَشَرَ فِي التَّدَاوِي وَالْمُعَالَجَاتِ: ۴۳/ ۴۸۱)

واجب قرار دیا، نہ کرے گا تو گناہگار ہوگا۔ بخلاف علاج و دواوں کے، کہ دوائیں اتنی یقینی نہیں ہوتیں۔(۱)

دواؤں کے اندر یہ احتمال بھی ہے کہ فائدہ پہنچ جائے اور یہ احتمال بھی ہے کہ فائدہ نہ پہنچے بلکہ ہمارے ایک بزرگ ڈاکٹر تھے، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، ڈاکٹر صغیر احمد ہاشمی صاحب مرحوم، میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کا بہت علاج کیا کرتے تھے اور ہم سب ان سے رجوع کیا کرتے تھے۔ اور ایک زمانے میں وہ لاہور کے گنگارام ہسپتال کے شاید سربراہ بھی تھے۔ میں نے کئی مرتبہ ان سے سنا کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ میری ساری زندگی کا تجربہ یہ ہے کہ دوا مریض کے بدن میں جانے کے بعد کسی اور سے پوچھتی ہے کہ کیا کروں؟ آیا اس کو فائدہ پہنچاؤں یا الٹا نقصان پہنچا دوں؟ وہی دوا جو ایک مریض کو ایک بیماری میں کارآمد تھی، وہی دوا دوسرے مریض کو اسی بیماری میں نقصان پہنچا دیتی ہے۔

لہذا چونکہ (دوا سے فائدہ پہنچنا) یقینی نہیں ہے، اس لیے یہ فرض یا واجب نہیں ہے، البتہ بے شک سنت ہے۔ لیکن اگر اس سے شفا موہوم ہے، موہوم کا معنی ہے کہ مریض کی شفایابی کے امکانات بہت بعید (Remote Chances) ہیں تو ایسا علاج نہ صرف یہ کہ فرض نہیں، واجب نہیں، سنت نہیں، بلکہ صرف جائز ہے، وہ بھی پسندیدہ نہیں۔

موہوم و تکلیف دہ علاج کی سنت سے مثال

اس کی ایک مثال یہ ہے کہ عرب معاشرے میں ایک علاج کا طریقہ تھا جسے "الکَیّ" کہتے تھے۔ جب کوئی شخص بیمار ہوتا تھا اور کسی بھی دوا سے اسے فائدہ نہیں ہوتا تھا تو پھر جسم کے اس حصے کو داغا جاتا تھا۔ لوہے کو گرم کر کے داغتے تھے اور اللہ جانے مزید کتنے طریقے ہوتے ہوں گے۔ اس پر ایک عرب ڈاکٹر کی ایک تفصیلی کتاب ہے جس میں انہوں نے تفصیل سے بیان کیا ہے کہ کس کس طریقے سے اس کو استعمال کیا جاتا تھا اور اس کے کیا کیا نتائج فائدے یا نقصان کے ہوتے تھے۔ عربی زبان میں یہ مقولہ مشہور تھا کہ "آخر الدواء الکی" (تمام علاج کے بعد آخری علاج کَیّ کے ذریعے ہوتا ہے)(۲)۔

---

(۱)وَمَنْ امْتَنَعَ عَنْ أَكْلِ الْمَيْتَةِ حَالَ الْمَخْمَصَةِ أَوْ صَامَ وَلَمْ يَأْكُلْ حَتَّى مَاتَ أَثِمَ بِخِلَافِ مَنْ امْتَنَعَ مِنْ التَّدَاوِي حَتَّى مَاتَ) فَإِنَّهُ لَا يَأْثَمُ لِأَنَّهُ لَا يَقِينَ أَنَّ هَذَا الدَّوَاءَ يَشْفِيهِ وَلَعَلَّهُ يَصِحُّ مِنْ غَيْرِ عِلَاجٍ كَمَا فِي الِاخْتِيَارِ.(مجمع الأنهر فی شرح ملتقی الأبحر، كِتَابُ الْكَرَاهِيَةِ، فَصْلٌ فِي الْأَكْلِ: ۲/۵۲۵)

(۲)المفصل فی تاریخ العرب قبل الإسلام، جواد علی، الطب والبیطرة : ۸۳۹۰)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے " کَیّ " کے طریقے کو پسند نہیں کیا بلکہ اس سے روکا اور فرمایا:

وَأَنْهٰى أُمَّتِي عَنِ الْكَيِّ

ترجمہ: میں اپنی امت کو کیّ سے روکتا ہوں۔ (۱)

ان لوگوں کی فضیلت بیان کی جو کَیّ کا علاج نہیں کرتے۔ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ ستر ہزار افراد ایسے ہوں گے جنہیں اللہ تعالیٰ بلا حساب کتاب جنت میں داخل کریں گے (اور ان ستر ہزار میں سے ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار ہوں گے (۲)۔ تو عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ کھڑے ہوگئے کہ اے اللہ کے رسول میرے لیے دعا کریں کہ میں بھی ان میں ہوجاؤں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے دعا کردی تم انہی میں سے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ مرتبہ عطا فرمادیا۔ اس کے بعد ایک اور صاحب کھڑے ہوگئے کہ میرے لیے بھی دعا فرمادیں، آپ نے فرمایا کہ عکاشہ تم پر سبقت لے گئے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تشریح فرمائی کہ یہ کون لوگ ہوں گے جو بلا حساب کتاب داخل ہوں گے تو فرمایا کہ ان میں وہ لوگ ہیں جو لَا يَكْتَوُونَ یعنی وہ جو کیّ کا علاج نہیں کرتے اور اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں (۳)۔ چونکہ جب کوئی طریقہ علاج معاشرے میں بہت رائج ہوجائے تو اس کے خلاف بولنا یا اس سے بچنا مشکل ہوتا ہے، اس لئے کَیّ نہ کرنے والوں کی اتنی بڑی فضیلت بیان فرمائی۔

لہٰذا ایسا extreme علاج جو تکلیف دہ بھی ہو (۴) اور موہوم بھی ہو، اس کو کرنے کے بجائے بندہ اللہ پر بھروسہ کرے کہ اے اللہ! آپ ٹھیک کرنے والے ہیں! میں اس علاج کے پیچھے نہیں پڑتا۔ تو یہ پسندیدہ ہے۔

---

(۱) صحيح البخاری، كتاب الطب، باب الشِّفَاءُ فِي ثَلَاثٍ، الرقم: ٥٦٨٠

(۲) بریکٹ میں لکھے گئے یہ الفاظ اس حدیث کا حصہ نہیں ہیں جس میں کَیّ نہ کرنے والوں کی فضیلت بیان کی گئی ہے، تاہم دوسری احادیث سے یہ اضافہ بھی ثابت ہے۔ مثلاً: عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم - أُعْطِيتُ سَبْعِينَ أَلْفاً يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ وُجُوهُهُمْ كَالْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ وَقُلُوبُهُمْ عَلَى قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ فَاسْتَزَدْتُ رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ فَزَادَنِي مَعَ كُلِّ وَاحِدٍ سَبْعِينَ أَلْفاً. (مسند أحمد، الرقم: ٢٣)

(۳) صحيح البخاری، كتاب الطب، بَابُ مَنِ اكْتَوَى أَوْ كَوَى غَيْرَهُ، وَفَضْلِ مَنْ لَمْ يَكْتَوِ، الرقم: ٥٣٧٨)

(۴) وإنما نهى عن الكي لمشقته. (كشف المشكل من حديث الصحيحين، كشف المشكل من مسند عبد الله بن العباس: ١/ ٥٥٠)

علاج معالجہ کے درجات

آپ نے دیکھا کہ انسان کو موت سے بچانے کے لیے بعض چیزیں فرض ہیں جیسے پیاسے کے لیے پانی پینا فرض ہے، بعض چیزیں فرض نہیں، واجب نہیں، مسنون ہیں جیسے نارمل طریقہ علاج، تیسرا وہ جس سے شفایابی موہوم ہو اور اس سے تکلیف بھی پہنچ رہی ہو، تکلیف چاہے جانی ہو یا مالی ہو یا کسی بھی قسم کی ہو، تو اس کو کرنا نہ صرف یہ کہ فرض، واجب یا سنت نہیں ہے بلکہ اس کو چھوڑ دینا بہتر ہے (۱)۔ اگر کرے گا تو بھی گناہ گار تو نہیں ہوگا لیکن اگر چھوڑ دے گا تو بھی گناہ گار نہیں ہوگا۔

علاج میں تکلیف سے بچنا چاہیے

آخری بات یہ ہے کہ مریض کا جس طریقہ سے علاج کرنا پسندیدہ ہے، اس میں اس بات کی بھی ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں اہمیت نظر آتی ہے کہ اگر کوئی ایسا طریقہ موجود ہو جس میں تکلیف نہ ہو تو حتی الامکان تکلیف دہ طریقہ اختیار نہ کیا جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی بچوں کے گلے میں Tonsils نکل آتے تھے، تو اہلِ عرب کے یہاں رواج تھا کہ خاص ماہر عورتیں ہوتی تھیں، جو

---

(۱) إن مجلس مجمع الفقه الإسلامی المنعقد فی دورة مؤتمره السابع بجدة فی المملكة العربية السعودية من ۷/إلی ۱۲/ ذو القعدة سنہ ۱۴۱۲ هـ الموافق ۹/۱۴- مايو سنہ ۱۹۹۲م. بعد اطلاعه على البحوث الواردة إلى المجمع بخصوص موضوع:(العلاج الطبی). وبعد استماعه إلی المناقشات التی دارت حوله، قرر:

أولًا -التداوی:الأصل فی حكم التداوی أنه مشروع، لما ورد فی شأنه فی القرآن الكريم والسنة القولية والعملية، ولما فيه من (حفظ النفس) الذی هو أحد المقاصد الكلية من التشريع.

وتختلف أحكام التداوی باختلاف الأحوال والأشخاص:

-فيكون واجبًا على الشخص إذا كان تركه يفضی إلی تلف نفسه أو أحد أعضائه أو عجزه، أو كان المرض ينتقل ضرره إلی غيره، كالأمراض المعدية.

-ويكون مندوبًا إذا كان تركه يؤدی إلی ضعف البدن ولا يترتب عليه ما سبق فی الحالة الأولی.

-ويكون مباحًا إذا لم يندرج فی الحالتين السابقتين.

-ويكون مكروهًا إذا كان بفعل يخاف منه حدوث مضاعفات أشد من العلة المراد إزالتها .(مجلة مجمع الفقه الإسلامی التابع لمنظمة المؤتمر الإسلامی بجدة ، العلاج الطبی: ۱۶۴۵/۷)

Tonsils کو دبایا کرتی تھیں، دبا کر یا تو اللہ جانے پھوڑ دیتی تھیں یا کسی اور طرز کا علاج کرتی تھیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ چلا تو فرمایا :

عَلٰى مَا تَدْغَرْنَ أَوْلَادَكُنَّ بِهٰذَا الْعِلَاقِ، عَلَيْكُنَّ بِهٰذَا الْعُودِ الْهِنْدِيِّ (۱)

ترجمہ: کیوں بچوں کو گلا دبا کر تکلیف دیتی ہو؟ قسط ہندی استعمال کرو

قسط ہندی ایک دوا ہوتی ہے، اب بھی ملتی ہے، اس لئے ہندی کہلاتی ہے کہ ہندوستان میں اس کا زیادہ رواج تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بچوں کو قسط ہندی کا سفوف پلایا کرو۔ لہٰذا جو عملی علاج تھا، اس سے روکا اور ایسی دوائی بتائی جو اس کام میں مفید ہے۔

اب تو ہم رفتہ رفتہ پرانی چیزوں کی طرف لوٹ کر آرہے ہیں۔ ایک زمانے میں کسی کو پتہ بھی نہیں ہوتا تھا کہ اسپغول کیا چیز ہوتی ہے اور اب ہر ڈاکٹر اسپغول کی تاکید کرتا ہے۔ پہلے کیمیائی دواوں کی طرف زیادہ رجحان ہوتا تھا، اب organic چیزیں زیادہ پسند کی جانے لگی ہیں۔ اب رفتہ رفتہ قسط بھی واپس آرہی ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں کے گلے کے لئے تجویز فرمائی تھی۔ نزلہ زکام کے اندر خود ہمارا اپنا تجربہ ہے کہ اللہ کے فضل و کرم سے قسط سے فائدہ ہوتا ہے۔

عیادت کا اصل مقصد

تو ایک بات تو یہ ہے کہ علاج کا کوئی سیدھا سادا طریقہ ہو جس میں تکلیف کم ہو، ایسا طریقہ اختیار کرنا جس میں تکلیف ہو، یہ بھی پسند نہیں کیا گیا۔ اور ساتھ ہی مریض کی راحت رسانی، اس کو آرام دینا، ذہنی آرام، نفسیاتی آرام اس کے لئے احادیث میں بڑی زبردست ہدایات موجود ہیں۔ یہ عیادت کا جو حکم ہے، یہ دراصل مریض کو تسلی دینے کا ایک راستہ ہے اور اس کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ کوئی شخص کسی مسلمان کی عیادت کے لیے جائے تو اللہ تعالیٰ کے ستر ہزار فرشتے اس کے لئے دعا کرتے ہیں (۲)۔ یہ فضیلت کیوں ہے؟ اس لئے کہ عیادت سے مریض کو تسلی ہوتی ہے۔

البتہ باریک بینی سے یہ بھی فرمایا گیا کہ عیادت ہلکی پھلکی کرنی چاہیے۔ یہ نہیں کہ عیادت کرنے والا

(۱) صحیح البخاری، کتاب الطب، بَابُ اللُّدُودِ، الرقم: ۵۳۸۳

(۲) سنن الترمذی، الجنائز، باب مَا جَاءَ فِي عِيَادَةِ الْمَرِيضِ، الرقم: ۹۶۹

مریض کے پاس جم کر بیٹھ جائے، جس کے نتیجہ میں مریض کو تکلیف ہو رہی ہو۔ بس دعا کرے، خیریت پوچھے اور واپس آجائے۔ یہ کرنا غلط ہے کہ آدمی بس وہاں جا کر بیٹھ گیا، زیادہ دیر وہاں گزار رہا ہے، مریض کے سر پر بوجھ ہو رہا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کا جب آخری وقت تھا تو لوگ عیادت کے لیے آرہے تھے۔ اب لوگ بار بار آرہے ہیں اور دیر تک بیٹھے ہوئے ہیں۔ جب بہت سے لوگ چلے گئے تو ایک صاحب پھر بھی بیٹھے رہے، تو عبداللہ بن مبارک کے منہ سے نکلا کہ یہ آنے جانے والوں نے الگ مشکل میں ڈالا ہوا ہے تو وہ صاحب کہنے لگے کہ حضرت! یہ دروازہ بند کردوں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ ہاں! مگر باہر سے بند کرنا(۱)۔ تو یہ ایک ہدایت دی گئی ہے کہ عیادت کے بھی آداب ہیں۔ یہ نہ ہو کہ بجائے اس عیادت سے فائدہ پہنچنے کے نقصان پہنچ جائے۔ راحت مقصود ہے۔ اگر راحت اس میں ہے کہ ملاقات ہی نہ کرے تو بس وہیں سے دعا کرکے آجائے، جیسے بعض اوقات ملنا بذاتِ خود مریض کے لیے نقصان دہ ہو جاتا ہے تو اس وقت اصرار کرنا کہ میں جاؤں گا اور مریض کی شکل دیکھوں گا۔ یہ کوئی ضروری نہیں ہے۔

Palliative Care اور اسلام

بہر حال یہ چند بنیادی اصول تھے جن کا حاصل یہ ہے کہ مریض کو سکون پہنچانا چاہیے۔ یہ Palliative Care کی جو بات ہو رہی ہے اُس کا حاصل بھی یہ ہے کہ جب کسی شخص کی مکمل شفا ممکن نظر نہیں آرہی تو کم از کم اسے ایسی ادویہ فراہم کی جائیں یا ایسے طریقے اختیار کیے جائیں جن کے نتیجہ میں اسے سکون حاصل ہو۔ یہ اسلام کے عین مطابق ہے اور اس کے اندر مزید کسی پریشانی کی بات نہیں ہے۔ البتہ اس سلسلے میں جو کچھ سوالات ہیں، ان کے بارے میں سمجھتا ہوں کہ اگر یہ اصول ذہن میں رہیں تو بہت سے سوالات کا جواب خود بخود مل جائے گا، باقی سوالات کے جوابات Panel discussion میں دینگے۔

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين

---

(۱) وروى أنه دخل رجل على مريض فأطال الجلوس فقال المريض لقد تأذينا من كثرة من يدخل علينا فقال الرجل أقوم وأغلق الباب قال نعم ولكن من خارج (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب الجنائز، باب عيادة المريض: ۴/ ۵۴)

سوال و جواب

خاتمہ بالخیر کا مطلب

سوال: خاتمہ بالخیر ہونے کا کیا مطلب ہے؟ اور اس کی فکر کرنا اور مریض کو ترغیب دینا کیسا ہے؟

جواب : خاتمہ بالخیر کے معنٰی یہ ہوتے ہیں کہ آدمی کا انتقال ایمان کی حالت میں ہو اور اگر ممکن ہو تو کلمہ طیبہ اس کا آخری کلمہ ہو۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مریض سے یہ کہا جائے کہ تمہارا خاتمہ بالخیر ہونے والا ہے تم کلمہ پڑھ لو۔ اس کا شریعت نے یہ طریقہ رکھا ہے کہ جب کسی شخص کا یہ حال نظر آ رہا ہو کہ اس کا دنیا سے جانے کا وقت آ گیا ہو تو آس پاس کے لوگ کلمہ پڑھتے رہیں، اس سے نہ کہیں کہ تم پڑھو۔ اس کو شریعت کی اصطلاح میں تلقین کہتے ہیں اور یہ مستحب ہے[1]۔

حرام دوا کی گنجائش

سوال : ایک 85 سالہ خاتون ہیں جن کو End Stage Heart Disease ہے۔ ان کی فیملی ان کی بیماری اور ان کی Palliative Case سے واقف اور آگاہ ہے۔ وہ اس وقت شدید سانس کی تکلیف Severe Respiratory Distressed میں ہیں۔ تمام ممکنہ میڈیکل علاج کے باوجود ان کی حالت مزید خراب ہو رہی ہے۔ ڈاکٹر نے ان کو سانس کی تکلیف کم کرنے کے لیے Morphine دینا شروع کیا اور فیملی سے ذکر کیا۔ فیملی کا خیال ہے کہ Morphine حرام ہے۔ لہٰذا اس مسئلہ میں شریعت کی کیا راہنمائی ہے؟

جواب :Morphine میں نشہ آور اجزاء موجود ہیں۔ لیکن شریعت کا حکم یہ ہے کہ جب کسی شخص پر کوئی

---

(۱) (قَوْلُهُ وَلُقِّنَ الشَّهَادَتَيْنِ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (لَقِّنُوا مَوْتَاكُمْ شَهَادَةَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ) وَالْمُرَادُ الَّذِي قَرُبَ مِنَ الْمَوْتِ وَصُورَةُ التَّلْقِينِ أَنْ يُقَالَ عِنْدَهُ فِي حَالَةِ النَّزْعِ جَهْرًا وَهُوَ يَسْمَعُ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ سُمِّيَا شَهَادَتَيْنِ لِأَنَّهُمَا شَهَادَةٌ بِوَحْدَانِيَّةِ اللَّهِ وَشَهَادَةٌ بِرِسَالَةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا يُقَالُ لَهُ قُلْ وَيُلَقَّنُ قَبْلَ الْغَرْغَرَةِ وَلَا يُلَحُّ عَلَيْهِ فِي قَوْلِهَا مَخَافَةَ أَنْ يَضْجَرَ فَإِذَا قَالَهَا مَرَّةً لَا يُعِيدُهَا عَلَيْهِ الْمُلَقِّنُ إِلَّا أَنْ يَتَكَلَّمَ بِكَلَامٍ غَيْرِهَا قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (مَنْ كَانَ آخِرُ كَلَامِهِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ)(الجوهرة النيرة،بَابُ الْجَنَائِزِ:۱/۳۹۷)

اور دوا اثر نہ کرے تو اس صورت میں کسی حرام چیز کا بقدرِ ضرورت استعمال جائز ہو جاتا ہے[1]۔ یہاں پر بھی اگر چہ Morphine میں شاید افیون ہوتی ہے، عام حالت میں اس کی اجازت نہیں ہے، لیکن اگر درد کی شدت ہے، پریشانی ہے اور کسی جائز ذریعہ سے درد کم نہیں ہو رہا ہے تو اس صورت میں اس کا استعمال شرعاً جائز ہے۔ یہ بات خود ڈاکٹر کے فیصلہ کرنے کی ہے کہ اس کے علاوہ کسی اور دوا سے کام چل سکتا ہے یا نہیں۔ اگر کوئی اور طریقہ نہیں ہے اور مریض تڑپ رہا ہے تو وہ مریض کو مارفین دے سکتا ہے۔ اور ظاہر یہ ہے کہ یہ بھی ڈاکٹر کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کا خیال رکھے کہ اتنی مقدار میں مارفین دی جائے کہ کوئی Side Effect نہ پیدا ہو، اور یہ تو ہر صورت میں دیکھنا چاہیے۔

سوال :حفظِ نفس کے حوالے سے تو یہ رخصت دی جاتی ہے لیکن کیا درد کو کم کرنے کے لیے بھی حرام دوا کو استعمال کرنے کی رخصت مل جاتی ہے؟

جواب۔ :جی بالکل۔ شرعی مسئلہ یہ ہے کہ یا تو ایسی بیماری ہو جس کی کوئی جائز دوائی میسر نہ ہو یا درد اتنا شدید ہو کہ موت کا تو امکان نہ ہو لیکن درد نا قابلِ برداشت ہو تو شریعت نے اس صورت میں حرام دوا کو استعمال کرنے کی رخصت دی ہے۔

Ventilator کے شرعی مسائل

سوال :ایک 36 سالہ شخص کو دل بند ہو جانے (Cardiac Arrest) کے باعث چار دن رکھا جاتا ہے۔ وہ مستقل بے ہوش ہے اور اپنے دل اور بلڈ پریشر کے لیے مکمل طور پر دوائیوں اور Ventilator پر انحصار کر رہا ہے۔ مریض کے متعلقین کو شروع ہی سے اس کی بگڑی ہوئی صورت حال کے بارے میں آگاہ رکھا گیا ہے۔ اور اب جب ڈاکٹروں کو بہتری کی کوئی امید نظر نہیں آتی تو مزید کسی اضافی علاج کو روک دینے یعنی (Do Not Resuscitate) اور دوائی نہ دینے کا فیصلہ کرتے ہیں اور متعلقین کو آگاہ کرتے ہیں لیکن متعلقین کا کہنا ہے کہ اسلام کوشش چھوڑنے کی اجازت نہیں دیتا۔

---

(۱) وَقَدْ وَقَعَ الِاخْتِلَافُ بَيْنَ مَشَايِخِنَا فِي التَّدَاوِي بِالْمُحَرَّمِ فَفِي النِّهَايَةِ عَنْ الذَّخِيرَةِ الِاسْتِشْفَاءُ بِالْحَرَامِ يَجُوزُ إذَا عُلِمَ أَنَّ فِيهِ شِفَاءً وَلَمْ يُعْلَمْ دَوَاءٌ آخَرُ اهـ. ﴿البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ابن نجيم (بيروت، دار الكتب العلمية) كِتَابُ الطَّهَارَةِ: ۱/ ۲۰۴﴾

سوال کی مزید وضاحت : یہ نوجوان مریض تھا، اسے ICU میں بہترین ٹریٹمنٹ دی گئی، کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی لیکن اس کے باوجود اب مریض میں کوئی بہتری نہیں آرہی ہے اور ماہرین طب دیکھ رہے ہیں کہ میڈیکل سائنس کے تناظر میں اس میں بہتری (Reversibility) نظر نہیں آرہی ہے۔ یہاں DNR کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ تمام تدابیر چھوڑ دیں اور مریض کو مرنے دیں، اس کا مطلب ہے کہ خدانخواستہ مریض کا دل اگر خود سے کام کرنا چھوڑ دے تو آپ اسے Revive کرنے کی کوشش نہیں کریں گے۔

اس سوال میں جو پوچھا جارہا ہے وہ ہے Withdrawal of Care، یعنی مریض پہلے سے Ventilator پر ہے، Artificial Support پر ہے، اور اسے Extraordinary Artificial Measure پر خلافِ فطرت زندہ رکھنے کی کوشش کررہے ہیں تو ہمیں اپنے وسائل (Resources) کا بھی سوچنا چاہیے۔ پاکستان میں وسائل کم یاب ہیں، ایک Ventilator ہوتا ہے اور 50 مریض ہوتے ہیں۔

جواب : میں اپنی ابتدائی گزارشات میں عرض کرچکا ہوں کہ پہلے تو علاج کو بذاتِ خود فرض سمجھا جاتا ہے۔ دوسرے یہ سمجھا جاتا ہے کہ اگر کسی خاص موقع پر علاج کو روک دیا جائے تو یہ Murder by Omission ہے، آپ پر ضروری تھا کہ علاج جاری رکھتے، آپ نے علاج جاری نہ رکھا اور اس چیز کو ہٹالیا جس پر اس کی زندگی کا دارومدار تھا تو آپ بھی قاتل ہیں۔ یہ ایک تصور ہے لیکن شریعت میں ایسا کوئی تصور نہیں ہے۔ جیسا میں نے عرض کیا کہ علاج بذات خود کوئی فرض و واجب نہیں اور Extraordinary طریقے اختیار کرنا پسندیدہ نہیں۔ لہذا پہلے تو اس Ventilator کو لگانا بذاتِ خود Extraordinary علاج ہے جو فرض، واجب، سنت، مستحب، پسندیدہ بھی نہیں، البتہ جائز ہے اگر مریض مالی و جسمانی اعتبار سے اس کا تحمل کرسکتا ہو اور اس میں مریض کے cure کی امید بھی ہو۔

اسی طرح اگر کوئی شخص Ventilator پر ہے اور مصنوعی طریقے سے اس کا دل اور سانس چلایا جارہا ہے تو یہ ضروری نہیں کہ اس کو ہمیشہ اس پر رکھا جائے بلکہ اس کو Withdraw کرنے میں نہ صرف یہ کہ کوئی قباحت نہیں بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ پسندیدہ ہے۔ للہذا ان طریقوں کا Withdraw کرلینا جو مصنوعی طریقے سے دل و سانس کو جاری رکھے ہوئے ہیں تو بالکل واضح جواب ہے، بغیر کسی شک وشبہ کے، یہ شرعاً

جائز ہے۔ یہ بالکل واضح جواب ہے۔ لہذا نہ تو Ventilator لگانا فرض وواجب ہے اور نہ ہی اس کا ہٹالینا ناجائز ہے۔ یہ طبیب کا اپنا فیصلہ ہے کہ وہ مریض کے حالات کو مدِنظر رکھتے ہوئے فیصلہ کرے۔ اگر وہ ہٹالینے کا فیصلہ کرے تو یہ خلافِ شریعت نہیں اور کوئی غیر اخلاقی بات بھی نہیں ہے۔ اگر تیماردار Ventilator لگے رہنے پر اصرار کریں تو انہیں سمجھایا جائے کہ یہ آپ کی کوئی شرعی ذمے داری نہیں ہے، پھر بھی آپ ایسا کرنا چاہتے ہیں تو گھر پر کرسکتے ہیں لیکن ہسپتال میں ڈاکٹرز سے Ventilator لگے رہنے کا مطالبہ کرنا قابلِ قبول نہیں ہے۔

باقی یہ دوسرا مسئلہ ہے کہ موت کی تعریف کیا ہے۔ آیا وہ دماغ کی موت کو موت کہیں گے یا دل کی موت ہی اصل موت ہے۔ اگر فرض کریں کہ یہ بھی سمجھا جائے کہ دماغ کی موت موت نہیں ہوتی ہے، بلکہ جب تک دل حرکت کرتا رہے، چاہے مصنوعی طریقوں سے ہی ہو، اس شخص کو زندہ تصور کیا جائے گا جب بھی ان مصنوعی طریقوں کا شرعاً ہٹالینا جائز ہے بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ پسندیدہ ہے۔

سوال : ایک ۲۰؍ سال کی لڑکی کو Transverse Myelitis ہے، اس کے ہاتھ پاؤں اور سانس کے پٹھے مفلوج ہوگئے ہیں، یعنی فالج کا شکار ہوچکے ہیں۔ وہ لڑکی ہوش میں تو ہے لیکن اس کے نیچے کے حصے کا سارا جسم مفلوج ہے۔ اس کو مخصوص طریقے سے علاج کا کوئی فائدہ نہیں ہوا جس کی وجہ سے اس کی زندگی کا دارومدار صرف اور صرف Ventilator پر ہے۔ ہسپتال میں طویل عرصے تک Ventilator پر رکھنے کی سہولت نہیں ہے اور متعلقین اس کا انتظام گھر میں کرنے سے قاصر ہیں۔ ہسپتال میں اسے یکے بعد دیگرے ایک انفیکشن ہوا پھر ایک Complication ہوئی، پھر دوسری Complication ہوئی۔ اب الجھن یہ ہے کہ مریض چونکہ ہوش میں ہے، دماغ اپنی جگہ ٹھیک ہے، گردن سے نیچے کا حصہ مفلوج ہے، تو اس میں Ventilator ہٹانے کے بارے میں شریعت کی کیا راہنمائی ہے؟

ایک پہلو اس میں یہ بھی ہے کہ اس طرح کے مریضوں کا بل لاکھوں روپے سے تجاوز کرجاتا ہے۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس مریض کو جو انفیکشن ہورہے ہیں وہ مسلسل اپنی Resistance بڑھاتے چلے جارہے ہیں۔ ہم جب Infectious Diseases کے ڈاکٹر سے مشورہ کرتے ہیں تو ایک وقت پر آ کر وہ کہتے ہیں کہ اب ہم کسی انفیکشن کے لیے اس کا مزید علاج نہیں کریں گے۔ پس ہمارے پاس یہ Choice رہ جاتی ہے کہ ہم مریض کو ایک قیمتی بستر پر چھوڑ دیں جو دیگر بہت سے مریضوں کی زندگی بچاسکتا ہے۔ وہ انفیکشن

مسلسل اپنی Resistance بڑھاتے چلے جارہے ہیں، اور اب تو اینٹی بائیوٹکس بھی اپنا اثر کم کرتی جارہی ہیں۔اب ہم یا تو کسی انفیکشن کا انتظار کریں جو آکر اسے اللہ تعالی کے پاس لے جائے یا ہم اس کے متعلقین کو شرعی رہنمائی سمجھائیں اور ایک جیتے جاگتے انسان کو جو ہم سے باتیں کر رہا ہے اس کا Ventilator بند کردیں۔

جواب: یہ میں پہلے عرض کرچکا ہوں کہ جہاں Ventilator کو ہٹانے کی ضرورت ہے اور اسے جاری رکھنا مصلحت کے خلاف ہے تو شریعت نے بھی اس پر پابندی نہیں لگائی ہے کہ اسے ہمیشہ Ventilator پر رکھا جائے، البتہ کسی شخص کے Ventilator پر رکھنے کی وجہ سے اس کے Cure کی امید ہے اور اسی ہسپتال میں دوسرا شخص بھی اسی نوعیت کے مرض کا آجاتا ہے جسے بھی Ventilator کی ضرورت ہے، اور ہسپتال میں مزید بستر خالی نہیں ہے، تو اس صورت میں کس کو ترجیح دیں؟ یہ بھی ایک سوال ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ انسان اپنی کوشش کی حد تک محنت کا مکلّف ہے تو ایک شخص پہلے آچکا ہے اور اس کا علاج ہو رہا ہے، ایسی صورت میں اس کو نکالنا اور دوسرے کو داخل کرلینے کی گنجائش مجھے نظر نہیں آتی۔ دوسرے شخص کے لیے Ventilator یہاں نہیں ہے تو وہ کسی دوسری جگہ علاج کراسکتا ہے۔

سوال: ایک نوجوان مریضہ ہے جو گھر میں بے ہوش پائی گئی اسے CPR کے بعد Ventilator پر ڈال دیا گیا۔ 24 گھنٹے گزر جانے کے باوجود وہ ہوش میں نہیں آرہی۔ طبی بنیادوں پر اس کے دماغ کو مردہ قرار دیا جاچکا ہے۔ اور اس کی زندگی کا دارومدار صرف اور صرف Ventilator اور دوائیوں پر ہے۔ لہٰذا Ventilator ہٹانے کا شریعت میں کیا حکم ہے؟

جواب: اس کا جواب پچھلے جوابات میں دیا جاچکا ہے۔

صبر و علاج

سوال: ایک 70 سال کا مریض جسے پھیپھڑوں کا Stage 4 کا کینسر ہے اور وہ جگر اور ہڈیوں تک پہنچ چکا ہے اور Chemo بھی فیل ہوچکی ہے۔ اب صرف معاون طریقہ علاج یعنی Supportive and Comfort Care پر موجود ہے۔ اب درد کی شدت کم کرنے کے لیے جب ڈاکٹر دوا دینے کی کوشش کرتے ہیں تو وہ یہ کہہ کر درد کی دوا لینے سے انکار کردیتا ہے کہ جب میں اس دنیا میں تکلیف برداشت کروں گا تو آخرت میں تکلیف کم ہوگی اور یہ اللہ کی طرف سے آزمائش ہے۔ اس سلسلے میں شریعت کی

کیا راہنمائی ہے؟

جواب : کسی صاحب کا اپنے طور پر یہ فیصلہ کرنا کہ میں دافعِ درد (Painkiller) دوائیں نہیں لوں گا، یہ اس کا اپنا فیصلہ ہے، اس کے بعد اس کو مجبور کرنے کی ضرورت نہیں اور نہ ہی مجبور کرنا مناسب ہے، نہ ہی مجبور کرنے کی شرعاً اجازت ہے۔ اگر کوئی شخص اس بات کو برداشت کر رہا ہے کہ میں اپنے درد کو برداشت کروں گا اور اس کے ذہن میں آخرت کا تصور بھی ہے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ اس کو اس سے روکا جائے۔ البتہ اس کو ترغیب دی جاسکتی ہے کہ بھائی! ایسا نہ ہو کہ یہ درد اتنی شدت اختیار کر جائے کہ کسی وقت تم ناشکری کی طرف جانے لگو۔ لہٰذا (Painkiller) استعمال کرلو تو بہتر ہے لیکن مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ ترغیب دی جاسکتی ہے۔

اصل میں مریض کو سمجھانے کی ضرورت اس لئے بھی ہوتی ہے کہ انسان شروع میں بعض اوقات جذبات میں فیصلہ کرلیتا ہے پھر بعد میں معاملہ الٹا ہوجاتا ہے، توکل کے جذبات پیچھے چلے جاتے ہیں اور ناشکری کے احساسات آجاتے ہیں کہ یا اللہ! میں نے آپ پر بھروسہ کر کے یہ کیا تھا آپ نے میرے ساتھ کیا کردیا۔

آدمی کا اللہ تعالی کے سامنے بہادر بننا بھی اچھی بات نہیں ہے۔ یہ کوئی بندگی کی بات بھی نہیں ہے۔

میرے بھائی مرحوم زکی کیفی صاحب کا ایک پیارا شعر ہے:

اس قدر بھی ضبطِ غم اچھا نہیں — توڑنا ہے عشق کا پندار کیا

لہٰذا ترغیب دی جاسکتی ہے لیکن مجبور نہیں کیا جاسکتا (۱)۔

---

(۱) وَقَدْ أَخْرَجَ الْبَزَّار وَابْن حِبَّان مِنْ حَدِيث أَبِي هُرَيْرَة شَبِيهًا بِقِصَّتِهَا وَلَفْظه "جَاءَتْ اِمْرَأَة بِهَا لَمَم إِلَى رَسُول اللّٰه صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ :اُدْعُ اللّٰه .فَقَالَ :إِنْ شِئْت دَعَوْت اللّٰه فَشَفَاك وَإِنْ شِئْت صَبَرْت وَلَا حِسَاب عَلَيْك .قَالَتْ :بَلْ أَصْبِر وَلَا حِسَاب عَلَيَّ "وَفِي الْحَدِيث فَضْل مَنْ يُصْرَع ، وَأَنَّ الصَّبْر عَلَى بَلَايَا الدُّنْيَا يُورِث الْجَنَّة ، وَأَنَّ الْأَخْذ بِالشِّدَّةِ أَفْضَل مِنْ الْأَخْذ بِالرُّخْصَةِ لِمَنْ عَلِمَ مِنْ نَفْسه الطَّاقَة وَلَمْ يَضْعُف عَنْ اِلْتِزَام الشِّدَّة ، وَفِيهِ دَلِيل عَلَى جَوَاز تَرْك التَّدَاوِي ، وَفِيهِ أَنَّ عِلَاج الْأَمْرَاض كُلّهَا بِالدُّعَاءِ وَالِالْتِجَاء إِلَى اللّٰه أَنْجَع وَأَنْفَع مِنْ الْعِلَاج بِالْعَقَاقِيرِ ، (فتح الباری ،كتاب المرضى، باب فضل من يصرع من الريح، ۱۰/ ۱۱۵ ... فيه إيماء إلى جواز ترك الدواء بالصبر على البلاء ، والرضا بالقضاء ، بل ظاهره أن إدامة الصبر مع المرض أفضل من العافية، لكن بالنسبة إلى بعض الأفراد ممن لا يعطله المرض عما هو بصدده عن نفع المسلمين(مرقاة المفاتيح ،كتاب الجنائز،باب عيادة المريض وثواب المرض: ۳/۱۱۴۷)

سوال :اس صورت میں بعض اوقات ڈاکٹر سمجھتے ہیں کہ مریض اس Mental Capacity میں نہیں ہے کہ وہ فیصلہ کرسکے کیونکہ وہ Confuse ہے یا دیگر وجوہ ہیں۔تو اگر ڈاکٹر سمجھے کہ وہ ذہنی طور پر فیصلہ کرنے کے قابل نہیں ہے تو کیا بحیثیت ڈاکٹر ہم اس کے اس فیصلہ کو Override کرسکتے ہیں کہ وہ درد کی دوائی نہیں لینا چاہتا؟

جواب :جب اس کی ذہنی حالت ایسی ہے اور ظاہری طور پر لگ رہا ہے کہ وہ خود فیصلہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہے تو یا تو اس وقت کا انتظار کیا جائے جب اس کی ذہنی حالت ایسی ہوجائے کہ وہ صحیح فیصلہ کرسکے اور اگر نہیں ہے، تو اس نے بہرحال اپنے آپ کو آپ کے حوالے کیا ہوا ہے لہٰذا ڈاکٹر ہی اس کی طرف سے فیصلہ کرکے Painkiller دے دے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

ناقابلِ برداشت مہنگا علاج تجویز کرنا

سوال :دس سال کا غریب گھرانے کا بچہ ہے جسے خون کا کینسر ہوگیا ہے۔اس کا ایک سال پہلے علاج ہوچکا تھا لیکن بدقسمتی سے دوبارہ ہوگیا ہے۔اب سوائے Bone Marrow Transplant کے کوئی اور طریقہ نہیں بچا ہے۔اب نہ ہسپتال، نہ ہی بچہ کی فیملی اس علاج کے اخراجات برداشت کرسکتی ہے۔ایسی صورت حال میں مریض کے گھر والوں کو مہنگے علاج کی خبر دیں یا یہ کہہ دیں کہ یہ لاعلاج مرض ہے؟ یہ آج کل کینسر کے علاج کا Dilemma ہے کہ بعض ڈاکٹر ایک موہوم Survival پر بہت مہنگا علاج تجویز کر دیتے ہیں جس کے لئے بسا اوقات مریض اپنا گھر یا جائیداد تک بیچ دیتا ہے۔بعض اوقات اس کے لئے اخبارات میں Ad آجاتا ہے کہ ایک غریب بچہ کے Transplant کی ضرورت ہے آپ 40 لاکھ عطیہ دیں۔

جواب :(یہ جواب مفتی نجیب احمد خان صاحب نے دیا۔حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے تائید فرمائی۔) حضرت نے جو اصول بیان فرمایا تھا کہ (ایسا موہوم علاج جو مالی تکلیف میں مریض کو ڈالے، وہ پسندیدہ نہیں) اس کے ذیل میں یہ مسئلہ آتا ہے۔اب جب ڈاکٹر کو پتہ ہے کہ یہ Transplant ایک طریقہ علاج ہے اور بسا اوقات یہ علاج ہو بھی جاتا ہے اور اکثر نہیں ہوتا تو صحیح شرعی طریقہ تو یہ ہوگا کہ ہم اس کو پوری بات واضح طور پر بتادیں کہ دیکھو یہ مہنگا علاج ہے اور اپنے آپ کو مشقت میں نہیں ڈالنا چاہیے۔اس میں فائدہ کے Chances کم ہیں۔بات پوری کرنی چاہیے نہ کہ کوئی اور بات جو جھوٹ کے زمرے میں

آ جائے۔ بہرحال اپنی طرف سے تجویز دے دیں کہ میری رائے ہے کہ آپ یہ علاج نہ کریں۔

زیادہ مریض اور کم وسائل

سوال : ایسے ادارے جو زکوۃ وخیرات سے مریضوں کا علاج کرتے ہیں اور ان کے پاس محدود فنڈ ہوتا ہے۔ اس صورت میں یہ اصول بنانا کہ ہسپتال ایسا مہنگا علاج صرف ان مریضوں کا کرے گا جن کی شفایابی کا امکان مثلاً 25 فیصد سے زیادہ ہوگا۔ تو یہ پالیسی بنانا شرعی لحاظ سے کیسا ہے؟

جواب : اگر دو مریض ایک ساتھ ہسپتال میں آتے ہیں اور بستر صرف ایک ہے تو آپ صرف اُس مریض کو داخل کریں جس کے شفایابی کے امکانات زیادہ ہیں، یہ ٹھیک ہے۔ لیکن اگر ایک مریض پہلے سے موجود ہے اور اب اس حالت پر پہنچ گیا ہے کہ اس کی صحتیابی کے امکانات دس فیصد سے کم ہیں، آپ اس کا بستر اس لیے خالی کروانا چاہتے ہیں کہ دوسرا بہتر حالت والا مریض آ گیا ہے، یہ ٹھیک نہیں کیونکہ وہ آپ کے پاس پہلے سے داخل ہے۔ اس کی ذمے داری تو آپ لے چکے ہیں۔ البتہ اگر صحتیابی کا کوئی امکان بالکل ہی باقی نہ رہے تو بے شک آپ دوسرے مریض کو داخل کر سکتے ہیں۔

سوال : ایک بچی ہے جو کہ متعدد مسائل کی وجہ سے ہسپتال میں داخل ہے لیکن اب تک حتمی بیماری کا پتہ نہیں چل سکا ہے۔ ڈاکٹر علاج کی کوشش تو کر رہے ہیں لیکن صحتیابی کے بارے میں کوئی رائے نہیں دے سکتے۔ اس دوران ایمرجنسی میں ایک اور بچی سخت بیماری میں آتی ہے جسے فوری داخلے کی ضرورت ہے اور اس کی بیماری قابلِ علاج بھی ہے۔ لیکن ہسپتال میں کوئی بستر موجود نہیں ہے۔ ایسی صورت میں ڈاکٹر کو کیا کرنا چاہیے؟ یعنی پہلے سے آئے ہوئے **undiagnosed** مریض کو ڈسچارج کر کے بعد میں آنے والے قابلِ علاج مریض کو داخل کر لینا اخلاقی و مذہبی لحاظ سے کیسا ہے؟

جواب : یہ ایک پیچیدہ صورتحال ہے اور اس میں کوئی **Hard and Fast** بات کہنا مشکل ہے کیونکہ صورتحال مختلف ہو سکتی ہے۔ موجودہ مریض اور آنے والے مریض کے احوال کو دیکھ کر وقت پر موجود ڈاکٹر کو فیصلہ کرنا چاہیے کہ میں کیا کروں؟ اتنی بات ضرور ہے کہ ایک اصول ہے **lesser evil** کا، جسے عربی میں اھون البلیتین کہا جاتا ہے[1]۔ یعنی دو پہلوؤں میں سے کم نقصان دہ پہلو کو اختیار کرنا چاہیے۔

---

(۱) إِذَا تَعَارَضَ مَفْسَدَتَانِ رُوعِيَ أَعْظَمُهُمَا ضَرَرًا بِارْتِكَابِ أَخَفِّهِمَا (الأشباه والنظائر، قَاعِدَةٌ رَابِعَة: ۱/۱۶۱)

اس میں کوئی Hard and Fast بات کہدینا کہ ہمیشہ ایسا ہی کرنا چاہیے، میں سمجھتا ہوں کہ غیر محتاط ہوگا۔

Advance Directives کی شرعی حیثیت

سوال : کیا اسلام اجازت دیتا ہے کہ کوئی انسان اپنی صحت و علاج کے بارے میں پیشگی ہدایات (Advance Directives) دے سکے؟

Advance Directives DNR کے ساتھ ساتھ ہی آتا ہے۔ دراصل ڈاکٹر صاحبان کسی مریض کو تین طریقوں سے بچانے کی کوشش کرتے ہیں:

۱۔ Electrical: اس میں shocks دیے جاتے ہیں۔

۲۔ Mechanical: اس میں Mechanical ventilation بھی شامل ہے۔

۳۔ Chemical: وہ Chemical جن سے بالکل آخری وقت میں rhythm تبدیل ہوتے وقت ہم اس کو support کرتے ہیں۔

اس قسم کی چیزوں سے متعلق مغرب میں یہ کلچر ہے کہ اٹھارہ سال سے زائد عمر کا شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ مجھے کبھی بھی intubate مشین پر نہ ڈالیے گا یا مجھے اس قسم کی دواؤں پر مت رکھیے گا، چاہے کبھی بھی ضرورت پڑے۔ اس کی اس بات کو honor کیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر کو اگر یہ Document Advance Directive مل جائے تو وہ اسکو follow کرتے ہیں۔

اب یہاں یہ صورتحال آتی ہے کہ ایک آدمی اس طرح کی وصیت کر چکا ہے، لیکن جس وقت وہ ہسپتال میں لایا گیا اس وقت اس کی حالت ایسی نہیں کہ اس سے بات چیت کی جائے۔ دوسری طرف اس کے متعلقین کا اصرار ہے کہ اسے vent پر ڈالیں۔ اب ڈاکٹر اس وصیت پر عمل کرے یا متعلقین کی رائے پر عمل کرے؟

جواب : وصیت کو مقدم رکھا جائے گا اس صورت میں جبکہ vent پر ڈالنا محض Artificial Support ہو۔ لیکن اگر vent سے صحتیابی کے بہت زیادہ امکانات ہوں تو متعلقین کی بات کو وزن دینا چاہیے کیونکہ بظاہر آدمی جب اس طرح کی وصیت کرتا ہے تو اس سے اس کا مقصد بلاوجہ تکلیف سے بچنا ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ وہ محض مصنوعی کارروائی کو پسند نہیں کرتا۔ لہذا اگر ڈاکٹر سمجھے کہ یہ کارروائی صحتیابی کا سبب بن سکتی ہے اور فیملی کی بھی یہی رائے ہو تو ایسی صورت میں vent پر ڈالنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

سوال : جناب مفتی صاحب! آپ نے فرمایا تھا کہ موہوم و مشکل علاج کو avoid کرنا چاہیے۔لیکن عرض یہ ہے کہ Medical Trials ایسے ہی ہوتے ہیں۔شروع میں 5% فائدہ ہوتا ہے، پھر 10%، gradually فائدہ بڑھتا ہے۔ لہذا اگر کسی علاج سے شروع میں 5% فائدہ ہوتو کیا کرنا چاہیے؟

جواب : میں نے یہ عرض کیا تھا کہ ایسا موہوم علاج ناجائز نہیں ہے لیکن اگر تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو، side effects ہوں تو avoid کرنا بہتر ہے، ناجائز پھر بھی نہیں ہے۔لہذا جہاں فائدہ بڑھنے کے امکانات ہوں تو وہاں ایسے علاج میں کوئی حرج نہیں ہے۔

Brain Death کی شرعی حیثیت

سوال : اگر کوئی شخص Ventilator کو ذاتی طور پر استعمال کرنا چاہتا ہے۔وہ کہتا ہے کہ میرے پاس وسائل ہیں، میں گھر میں Ventilator استعمال کروں گا۔ مجھے میرا فیملی ممبر سانس لیتا نظر آتا رہے، اس لیے میں Ventilator کو جاری رکھوں گا، چاہے اس میں بہتری کے امکانات ہوں یا نہ ہوں۔کیا یہ عمل گناہ کے زمرے میں آتا ہے؟

جواب : نہیں، یہ گناہ نہیں ہے۔میں نے عرض کیا تھا کہ ایسے موہوم طریقے واجب نہیں، سنت نہیں، لیکن ناجائز بھی نہیں، محض ناپسندیدہ ہیں، لیکن ایک آدمی اپنے رشتے دار کو سانس لیتا دیکھنا چاہتا ہے اور Ventilator پر رکھنا چاہتا ہے تو کوئی گناہ نہیں ہے۔

سوال : اگر Brain Death ہو چکی ہو اور وہ Irreversible ہو، تب بھی؟

جواب : یہ مسئلہ بہت تفصیلی اور پیچیدہ ہے۔ یہ کہنا کہ Brain Death موت ہوتی ہے یا دل کی دھڑکن کا بند ہوجانا بھی ضروری ہے، یہ ایک پیچیدہ سوال ہے، جس میں ڈاکٹر صاحبان کی رائے بھی مختلف ہے۔ہم نے اس پر OIC کی فقہ اکیڈمی میں دو اجلاس رکھے جس میں ڈاکٹر صاحبان بھی تھے اور فقہائے امت بھی تھے۔ان سب کی موجودگی میں یہ مسئلہ زیر بحث آیا۔خود ڈاکٹر صاحبان کی رائے مختلف تھی۔کوئی کہتا کہ Brain Death موت ہوتی ہے اور کوئی اس سے اختلاف کرتا۔

اصل میں اس مسئلہ کا تعلق Ventilator سے نہیں ہے کیونکہ موت ہوئی ہے یا نہیں، Ventilator ہٹانا بہر صورت جائز ہے۔ یہ بات تو واضح ہے۔مسئلہ جو پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ موت کی تعریف سے بہت

سے شرعی مسائل پیدا ہوتے ہیں، مثلاً عدت و وراثت۔ کیونکہ جس point پر موت شمار ہوتی ہے اسی وقت سے عدت شروع ہوتی ہے۔ فرض کریں کہ شوہر کا انتقال ہوا ہے تو موت کے وقت سے ہی بیوہ کی عدت شروع ہوتی ہے۔ اس صورت میں آیا عدت اس وقت سے شروع ہوگی جو Brain Death کا point ہے یا اس وقت سے جب دل بند ہوا تھا؟ اسی طرح وراثت کے مسائل میں فرق پڑ جاتا ہے۔ فرض کریں کہ جس وقت Brain Death ہوئی اس وقت مریض کا ایک وارث زندہ تھا لیکن جب دل کی ڈھڑکن بند ہوئی تو وہ وارث بھی فوت ہو چکا تھا۔ اب سوال یہ ہوگا کہ وہ شخص اس مریض کا وارث شمار ہوگا یا نہیں؟

لہٰذا اس بحث کا تعلق علاج سے نہیں ہے۔ Brain Death کو چاہے اصلی موت قرار دیں یا دل کی موت کو، دونوں صورتوں کا Ventilator کے مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

سوال : میرا تعلق Chest Compression سے ہے۔ میں کئی سالوں سے یہ تعلیم دے رہا ہوں کہ جب دل بند ہو جائے تو کیسے سینہ دبانا ہے۔ اس پر سب سے مستند ادارہ American Heart Association ہے۔ انہوں نے اس پر guidelines بنائی ہوئی ہیں جس کے مطابق جب کسی کا دل بند ہو جائے اور آپ نے 20 منٹ تک مکمل کوشش کرلی ، Chest Compression بھی کرلیا، سانس بحال کرنے کی کوشش بھی کی ہے پھر بھی سانس بحال نہ ہو تو آپ اپنی کوششیں ختم کر سکتے ہیں۔ تاہم مسئلہ یہ پیش آتا ہے کہ جب ہم 20 منٹ کا CPR کرنے کے بعد Attendant کے پاس جاتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب آپ مزید کوشش کریں۔ اس صورت میں ہمیں دین کی طرف سے کیا راہنمائی ملتی ہے؟

جواب : اس میں تو ڈاکٹر ہی فیصلہ کر سکتے ہیں کہ مزید کوشش فائدہ مند ہے یا نہیں۔ ظاہر ہے کہ تیمار دار کی تو خواہش ہوتی ہے کہ کوئی کوشش رہ نہ جائے۔ لیکن یہ تو ڈاکٹر ہی فیصلہ کر سکتے ہیں کہ اس میں امید ہے یا نہیں۔ اگر فائدہ مند نہیں ہے تو بلاوجہ مکے مارنے کا کیا فائدہ؟ لہٰذا محض رشتے داروں کے دباؤ میں یہ کام نہیں کرنا چاہیے۔

قریب المرگ شخص سے ڈاکٹر کا برتاؤ

سوال : ایک قریب المرگ شخص سے ڈاکٹر کا برتاؤ کیسا ہونا چاہیے؟

جواب : یہ بہت اہم سوال ہے۔ میں ذاتی طور پر سمجھتا ہوں اور قرآن وسنت سے بھی ہم نے یہی سیکھا

ہے کہ تسلی کے دو بول بعض اوقات بہت بڑی دوا سے زیادہ کارآمد ہوتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ صبح وشام ڈاکٹر کے سامنے مریض انتقال کرتے ہیں اور وہ دن رات اس سے گزرتے ہیں۔ میں بعض اوقات سوچتا ہوں کہ ڈاکٹر کی شاید ذاتی زندگی نہیں ہوتی، رات کو بے وقت بھی ان کو اٹھایا جاتا ہے۔ لیکن بہرحال ان کے فریضۂ منصبی کا تقاضا ہے کہ وہ ہر حال میں، خاص طور پر اس مریض سے جو رخصت ہونے والا ہے، محبت، ہمدردی اور تسلی کا معاملہ کریں۔ اس سے بھی بڑھ کر میں سمجھتا ہوں، اور عام طور پر اس میں بڑی بے احتیاطی ہوجاتی ہے، کہ جس طرح مریض سے نرمی کا معاملہ کرنا ضروری ہے، اسی طرح اس کے تیماردار بھی بڑے دکھی ہوتے ہیں۔ ان سے بھی حتی الامکان پیار، ہمدردی، نرمی سے بات کی جائے، چاہے مختصر بات ہی ہو۔ اکثر یہ ہوتا ہے کہ وہ پہلے سے ٹوٹے ہوتے ہیں اور آپ نے ان کو ڈانٹ پلادی تو ان کے دکھوں میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ یہ ایک ڈاکٹر کے منصب کے خلاف ہے۔

میڈیکل کمیشن کی بُرائی

آخر میں ایک بات عرض کرتا ہوں، یہاں ماشاء اللہ دیندار ڈاکٹر حضرات کا اجتماع ہے، شاید یہاں یہ بات کرنا مناسب بھی نہ ہو۔ لیکن چونکہ آپ حضرات قائد ہیں، دوسرے ڈاکٹر حضرات کے لیے تربیت کا ذریعہ بنتے ہیں۔ اس لئے میں عرض کروں کہ ہمارے معاشرے میں ایک بُرائی پھیل گئی ہے۔ ڈاکٹر صاحبان کا لیبارٹری اور دوافروش کمپنیوں سے کمیشن کا معاہدہ ہوتا ہے اور وہ مریضوں کو مخصوص دوائی خریدنے اور مخصوص لیبارٹری سے ٹیسٹ کروانے پر اصرار کرتے ہیں جن سے انہیں کمیشن ملتا ہے

ابھی میرے پاس غریب ترین ۲۰ سال کا لڑکا آیا، اس کے ہاتھ میں معمولی تکلیف تھی۔ ڈاکٹر نے ایک خاص لیبارٹری سے اسے MRI کروانے کا کہدیا۔ میں نے ایک اپنے دوست ڈاکٹر کو دکھایا تو انہوں نے کہا کہ MRI کی ہرگز ضرورت نہیں ہے۔ انہوں نے کچھ ورزش اور دوائیں بتادیں۔

نیز یہ Health Insurance کی وجہ سے بھی بسا اوقات غیر ضروری ٹیسٹ اور ادویہ لکھ دی جاتی ہیں کیونکہ کمپنی اس کے اخراجات ادا کرتی ہے تو جو چاہے لکھدیا جاتا ہے۔

لہذا میری درخواست ہے کہ آپ سب اس برائی کے خلاف مہم چلائیں تاکہ یہ پیشہ جو انتہائی معزز ومکرم ہے، باعثِ اجر وثواب ہے، وہ مصنوعی تجارت نہ بن جائے۔

☆☆☆

طالبِ دعا: ابو سعاد راشد حسین

اپنے گھر کو پرسکون بنائیے

صحیح بخاری کے کتاب النکاح میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی مذکور ہے کہ:

تم میں سے ہر شخص نگران ہے۔ اور ہر ایک سے اس کے ماتحت افراد کے بارے میں سوال ہوگا۔ مرد اپنے گھر والوں پر نگران ہے، عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کی اولاد پر نگران ہے، اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔

مذکورہ حدیث سے پتہ چلا کہ بطور خاص والدین کے لئے ضروری ہے کہ:

۱...... وہ تقویٰ اختیار کریں۔

۲...... آپس کے تعلقات کو قائم اور مستحکم رکھنے کی ہر ممکن کوشش کریں۔

۳..... میاں بیوی دونوں اپنے گھر کے نگران ہیں۔ اور ان سے اس نگرانی کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ہر ہر عمل کو دیکھ رہے ہیں۔ اسے معلوم ہے کہ گھریلو معاملات میں کون زیادتی کرتا ہے۔ اور کون عدل وانصاف سے کام لے کر خاندان کو مستحکم بنیادوں پر استوار کرتا ہے۔

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی صاحب مدظلہم

چند بڑے گناہ

شلوار ٹخنوں سے نیچے لٹکانا

مردوں کے لئے شلوار ٹخنوں سے نیچے رکھنا ناجائز اور گناہِ کبیرہ ہے، احادیثِ مبارکہ میں اس پر سخت وعیدیں آئی ہیں، اس لئے اس گناہ سے بطورِ خاص بچنے کی ضرورت ہے، آجکل یہ گناہ بہت ہی زیادہ عام ہوگیا ہے، اور لوگ اپنی شلواریں فیشن کے طور پر ٹخنوں سے نیچے رکھتے ہیں اور گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کرتے ہیں۔ ذیل میں اس گناہ کی مذمت پر چند احادیثِ طیبہ ملاحظہ فرمائیں:

حدیث نمبر ۱

عن أبی هريرة . رضی الله عنه . عن النبی صلی الله عليه وسلم قال ما أسفل من الكعبين من الازار ففی النار (صحيح البخاری . ۱/ ۳۰۲)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرماتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا: ٹخنوں کا جو حصہ پائجامہ کے نیچے رہے گا وہ جہنم میں ہوگا۔

تشریح: یعنی شلوار ٹخنوں سے سے نیچے ہونے کی وجہ سے ٹخنے شلوار کے نیچے چھپ جاتے ہیں، اس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جسم کا یہ حصہ جہنم میں ہوگا، اور ظاہر ہے کہ جب یہ حصہ جہنم میں ہوگا تو باقی پورا جسم بھی جہنم میں ہی ہوگا۔

حدیث نمبر ۲

عن أبی هريرة أن رسول الله صلی الله عليه وسلم قال لا ينظر الله يوم القيامة الی من جر ازاره بطرا (صحيح البخاری . ۱/ ۳۰۲)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس شخص کی طرف نظر نہیں کریں گے جو غرور کی وجہ سے اپنی ازار گھسیٹ کر چلے۔

حدیث نمبر۳

عن ابی ذر عن النبی . صلی اللہ علیہ وسلم . أنہ قال "ثلاثة لا یکلمھم اللہ ولا ینظر الیھم یوم القیامة ولا یزکیھم ولھم عذاب ألیم ". قلت من ھم یا رسول اللہ قد خابوا وخسروا أعادھا ثلاثاً. قلت من ھم یا رسول اللہ خابوا وخسروا فقال "المسبل والمنان والمنفق سلعتہ بالحلف الکاذب." أو "الفاجر".(سنن ابی داود . ۴/ ۱۰۰)

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرماتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا: تین شخص ایسے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات نہیں کریں گے اور نہ ان کی طرف رحمت کی نگاہ سے دیکھیں گے اور نہ ان کو گناہوں سے پاک کریں گے، اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! وہ کون ہیں جو کہ برباد ہوگئے اور خسارہ میں پڑگئے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر تین مرتبہ یہی فرمایا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہیں جو کہ برباد ہوگئے اور خسارہ میں پڑگئے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک تہبند لٹکانے والا، دوسرا احسان (کرکے) جتلانے والا، تیسرا جھوٹی قسم کھا کر اپنا سامان فروخت کرنے والا۔

حدیث نمبر۴

عن سالم بن عبداللہ أن أباہ حدثہ أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال بینا رجل یجر ازارہ اذ خسف بہ فھو یتجلل فی الارض الی یوم القیامة (صحیح البخاری . ۱/ ۳۰۳)

ترجمہ: حضرت سالم بن عبداللہ کہتے ہیں کہ اُنہیں ان کے والد نے یہ حدیث سنائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک بار ایک آدمی اپنا ازار گھسیٹتا ہوا جا رہا تھا کہ اُسے دھنسا دیا گیا اور وہ قیامت تک زمین میں دھنسایا جاتا رہے گا۔

حدیث نمبر۵

عن أبی ھریرة قال بینما رجل یصلی مسبلا ازارہ فقال لہ رسول اللہ صلی

الله عليه وسلم "اذهب فتوضأ" . فذهب فتوضأ ثم جاء ثم قال "اذهب فتوضأ". فقال له رجل يا رسول الله مالك أمرته أن يتوضأ ثم سكتّ عنه قال "انه كان يصلي وهو مسبل ازاره وان الله لا يقبل صلاة رجل مسبل".

(سنن أبي داود . ۴/ ۱۰۰)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص اپنا تہبند لٹکائے ہوئے نماز پڑھ رہا تھا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے ارشاد فرمایا: جاؤ، پھر جا کر وضو کرو، چنانچہ اس نے جا کر وضو کیا، پھر جب وہ شخص آیا تو آپ نے پھر فرمایا کہ جا کر وضو کر کے آؤ، وہ شخص گیا اور وضو کر کے آگیا، تو ایک شخص نے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ اس شخص کو بار بار وضو کرنے کا حکم دیتے ہیں پھر آپ خاموشی اختیار فرماتے ہیں، (اس کا کیا مقصد ہے؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (وجہ بیان کرتے ہوئے) فرمایا: وہ شخص تہبند کو لٹکا کر (یعنی ٹخنے کے نیچے رکھکر) نماز پڑھ رہا تھا، اور اللہ تعالیٰ تہبند لٹکا کر نماز پڑھنے والے کی نماز قبول نہیں فرماتے۔

تشریح: بار بار وضو کرنے کا حکم اس لئے فرمایا تا کہ غلطی پر تنبیہ ہو جائے، مقصد یہ ہے کہ شلوار ٹخنوں سے نیچے رکھنا اس قدر بُرا عمل ہے کہ اس کا اثر نماز کے ساتھ ساتھ وضو پر بھی ہوتا ہے، جیسے گندے پرنالے کے چھینٹے دور دور تک پہنچتے ہیں۔

مذکورہ بالا تمام احادیث سے معلوم ہوا کہ شلوار یا پائجامہ کو ٹخنوں سے اوپر رکھنا شرعاً لازم اور ضروری ہے، اور ٹخنوں سے نیچے رکھنا ناجائز اور گناہ ہے، اور یہ تکبر کی علامت اور جہنم میں لے جانے کا ذریعہ ہے۔

آجکل ہمارے معاشرے میں یہ گناہ بھی بہت عام ہو گیا ہے، بے شمار مرد حضرات اپنی شلواریں اور پتلونیں فیشن کے طور پر ٹخنوں سے نیچے رکھتے ہیں، اور سارا دن جب تک اس حالت میں رہتے ہیں اللہ کی ناراضگی والے عمل اور گناہ میں مبتلا رہتے ہیں۔ اس لئے مردوں کو چاہئے کہ وہ اپنی شلوار ہمیشہ ٹخنوں سے اوپر رکھیں، بعض مرد یہ سمجھتے ہیں کہ شاید صرف نماز کے اندر اس کا حکم ہے، نماز کے باہر مرضی ہے چاہے اوپر رکھیں یا نیچے، حالانکہ یہ بالکل غلط ہے، کیونکہ جس طرح نماز میں شلوار ٹخنوں سے اوپر رکھنا ضروری ہے اسی طرح نماز کے باہر بھی یہی حکم ہے۔

یہاں ایک غلط فہمی کا ازالہ بھی ضروری ہے اور وہ یہ کہ بعض لوگ اپنے اس عمل کے جائز ہونے کے لئے یہ

دلیل پیش کرتے ہیں کہ شلوار ٹخنوں سے نیچے رکھنا اس صورت میں منع ہے جبکہ تکبر کی نیت سے نیچے رکھی جائے، لیکن اگر دل میں تکبر نہ ہو اور ویسے ہی شلوار نیچے رہے تو یہ منع نہیں۔ خوب سمجھ لیجئے کہ اول تو بے شمار احادیث میں شلوار ٹخنوں سے نیچے رکھنے کی مطلقاً ممانعت آئی ہے، اس میں تکبر کی کوئی قید نہیں، دوسری بات یہ ہے کہ اگر بالفرض ممانعت صرف تکبر کی صورت میں ہی ہو تو کیا کسی انسان کے لئے یہ فیصلہ کرنا کوئی آسان کام ہے کہ میرے دل میں تکبر نہیں ہے اور میں تکبر سے پاک ہوں؟ یہ فیصلہ بہت ہی مشکل ہے، یہ شیطان کی طرف سے بہکاوا اور دھوکہ ہے، دیکھئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو تکبر سے پاک تھے لیکن احادیثِ طیبہ میں آپ کا معمول یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ شلوار ٹخنوں سے اوپر رکھتے تھے، اور کبھی نیچے نہیں رکھی۔ تو پھر ہمارے لئے کیسے اجازت ہوگی؟ اس لئے ہر مسلمان کو ہر حال میں اس سے بچنے کی فکر کرنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اس گناہ سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

محمد فضل اللہ فانی صوابوی
فاضل جامعہ دار العلوم کراچی

استاد محترم حضرتِ اقدس مولانا رشید اشرف سیفیؔ رحمۃ اللہ علیہ کی یاد میں مخمّس ترکیب بند

سبھی طیورِ چمن چپ ہیں، سوگوار ہیں آج
سبھی گلوں کے گریبان تار تار ہیں آج
خزاں رسیدہ و پژمردہ برگ و بار ہیں آج
وہ جس سے گلشنِ دل میں بہار تھی، نہ رہا
تھی جس سے پھولوں کے چہروں پہ تازگی، نہ رہا

تھی جس سے محفلِ تحقیق میں ضیا، سیفیؔ
تھی جس سے مسندِ تدریس کی بہا، سیفیؔ
ہے بزمِ نقد میں ماتم بپا، گیا سیفیؔ
جہانِ علم میں ہے حشر کا سماں یارو
کس آسماں نے کیا قصدِ آسماں یارو

وہ بزمِ علم میں تھی جس سے روشنی، نہ رہا
سکھایا جس نے ہمیں طرزِ زندگی، نہ رہا
سرور و نورِ دل و دیدۂ "تقی" نہ رہا
جہانِ علم میں چھائی ہوئی ہے تاریکی!
اِک ایسی شمع نے صد حیف، پردہ داری کی

وہ جس کا سینہ تھا گنجینۂ ہنر، وہ گیا
وہ جس کے لفظ تھے ہم رتبۂ گہر، وہ گیا
جو روشنائی کو کرتا تھا آبِ زر، وہ گیا

یہ کس سے یارو! زمیں گود بھر گئی ہے آج
یہ دھرتی لعل و جواہر کی کاں بنی ہے آج

وہ باغ باغ طبیعت، وہ گفتگو شیریں
وہ جس کو دیکھ کے ہوتا تھا خوش دلِ غمگیں
تھا جس کا لکھا ہر اک حرف سیمیں اور زرّیں

وہ جس کے کام کی ہر سمت دھوم تھی، نہ رہا
وہ جس سے رونقِ دار العلوم تھی، نہ رہا

ہے دل میں کرب سے اُمڈا ہجومِ درد و اَلم
رہی ہے طاقتِ گفتار اور نہ تابِ رقم
بس اب، کہ چھوٹ گئی ہاتھ سے زمامِ قلم

زبان گنگ ہے اور گوش کر ہیں صدمے سے
دماغ و دل پہ مرے پڑ گئے ہیں تالے سے

☆☆☆

جناب محمد راشد صاحب

چار ایسے اعمال
جو اسلام قبول کرنے کا ذریعہ بن رہے ہیں

اہل علم کی محنت اور دعوت وتبلیغ کے کام کی برکت سے یورپ اور بیرون ممالک میں اسلام تیزی سے پھیل رہا ہے اور کثیر تعداد میں لوگ اسلام قبول کررہے ہیں۔ اور وہاں کے بسنے والوں میں اسلام کی طرف دلچسپی بڑھتی جارہی ہے۔ ویسے تو اسلام کی ہر ادا اور ہر حکم میں خاص کشش ہے، تاہم بیرون دنیا میں جو لوگ اسلام کی طرف راغب ہوتے ہیں اُن میں چار عمال زیادہ کشش کا باعث ہوتے ہیں۔ نومسلموں کے احوال اور کارگزاریاں جب سامنے آتی ہیں تو اُن میں عموماً انہی چار اعمال کا ذکر زیادہ ملتا ہے، گویا اُن عمال کو قبولیت اسلام میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ لہٰذا تمام مسلمان بالخصوص مغربی ممالک میں بسنے والے مسلمان ان چار اعمال واحکام پر پورے اہتمام، توجہ اور انہماک سے عمل پیرا ہوں۔ ان کی برکت سے اُن مسلمانوں کو نہ صرف دین کے دوسرے احکام پر چلنے کی توفیق نصیب ہوگی بلکہ ان اعمال کے اہتمام سے غیر مسلموں کے لئے اسلام قبول کرنے کی راہ ہموار ہوگی۔ ان شاء اللہ یہ اہتمام اُن مسلمانوں کے حق میں صدقہ جاریہ کا بھی باعث ہوگا۔

۱۔ اذان ونماز: بیرون ملک اسلام کا جو عمل مذہب اسلام کی طرف رغبت کا باعث بنتا ہے وہ اذان دے کر نماز پڑھنا ہے۔ جب وہاں اذان دی جاتی ہے۔ تو لوگ بہت حیرت تعجب اور دلچسپی سے اس عمل کو دیکھتے ہیں اور جب مسلمان نماز پڑھتے ہیں تو اُن کے اس عمل سے غیر مسلم بہت ہی اطمینان اور سکون محسوس کرتے ہیں۔ نماز کی حرکات وسکنات دیکھ کر بہت متاثر ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہ حرکات کسی انسان کی تجویز کردہ نہیں ہیں بلکہ حکم خداوندی کی بجا آوری کا نمونہ اور نظارہ ہیں، اسی لیے دیکھنے والوں کو ان سے روحانی سکون ملتا ہے۔ غیر مسلم پوچھتے ہیں کہ یہ آپ کیا کررہے تھے؟ کیوں کررہے تھے؟ جب اُن کو بتایا جاتا ہے کہ اللہ کا حکم ہے۔ مسلمان اس حکم پر عمل کرنے کے لئے یہ عمل انجام دیتے ہیں، نماز ادا کرتے ہیں تو یہی اذان اور نماز کا منظر بہت سے غیر مسلموں کے اسلام میں داخل ہونے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ لہٰذا تمام مسلمان بالخصوص وہ مسلمان جو غیر مسلم ممالک میں رہتے ہیں۔ نماز کا خصوصی اہتمام فرمائیں۔ اس حکم کی ادائیگی سے جہاں نماز جیسا اہم فریضہ ادا ہوگا وہاں یہ عمل غیر مسلموں کو اسلام کے قریب تر لانے کا بھی ذریعہ بن جائے گا۔ اس حکم کی

بجا آوری سے کسی کو مذہب اسلام قبول کرنے کی فکر پیدا ہوگئی تو یہ اُن کے لئے صدقہ جاریہ بھی ثابت ہوگا۔

۲۔ قرآن مجید: دوسرا عمل جو بہت سے غیر مسلموں کو بہت زیادہ متاثر کرتا ہے وہ اللہ پاک کا کلام یعنی قرآن مجید ہے۔ چونکہ دیگر آسمانی کتابیں اول تو ہو بہو محفوظ نہیں۔ دوسرے وہ منجانب اللہ منسوخ کردی گئی ہیں نیز زندگی کے تمام مراحل، اہم اُمور اور مختلف شعبہائے زندگی میں جیسی رہنمائی قرآن مجید پیش کرتا ہے وہ کسی اور جگہ نہیں ملتی۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا آخری کلام اور آخری کتاب ہے۔ کتنے حق پسند اور حق کے متلاشی قرآن مجید کے مطالعے سے حق کا راستہ پالیتے ہیں۔ اور وہ بالآخر اسلام قبول کرلیتے ہیں۔ قرآن مجید برحق کتاب ہے جو سابقہ آسمانی کتابوں کی بھی تصدیق کرتی ہے۔ قرآن مجید ایک ایسا معجزہ ہے جو قیامت تک باقی رہے گا۔ قرآن مجید کی روشنی سے بھٹکی ہوئی انسانیت حقیقی منزل پاسکتی ہے۔ قرآن مجید کا مسلمانوں کے پاس مکمل محفوظ ہونا اس اُمت پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے اور اُسی کتاب مبین کے ذریعے ہم اسلام کا دین حق ہونا بھی ثابت کرسکتے ہیں۔

لہذا غیر مسلم ممالک میں تمام مسلمان قرآن مجید کی اہتمام سے تلاوت کریں۔ قرآن پاک سے محبت کریں۔ اور ہر مسلمان گھرانے میں قرآن پاک کے نسخہ جات موجود بھی ہوں اور تلاوت بھی کی جاتی رہے تو یہ اہتمام بھی غیر مسلموں کی ہدایت کی طرف آنے کا ذریعہ ثابت ہوگا۔

۳۔ پردہ: غیر مسلم ممالک میں تیسرا عمل جو اسلام کی طرف کشش کا باعث بنتا ہے وہ پردہ ہے۔ پردہ یعنی حجاب اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ غیر مسلم ممالک میں بسنے والی کتنی خواتین نے اس حکم کی برکت سے اسلام قبول کرلیا۔ آج ہماری محرومی ہے کہ مشرق میں اس حکم پر عمل کرنے کو ایک طبقہ معیوب نگاہوں سے دیکھتا ہے لیکن وہ اس حقیقت سے بے خبر ہیں کہ بیرون ممالک میں حجاب کا حکم اسلام کی طرف رغبت کا باعث بن رہا ہے۔ کتنی غیر مسلم عورتوں نے مسلمان عورتوں کے حجاب سے متاثر ہوکر اسلام قبول کیا۔ اس کی لاتعداد مثالیں اور واقعات ہیں جو دینی جرائد وکتب میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ یہ بات ہمارے وہاں کی مسلمان عورتوں کو ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ حجاب کے حکم پر عمل کے ذریعے وہ نہ صرف اللہ کا حکم پورا کرتی ہیں بلکہ اُن کا یہ عمل غیر مسلم عورتوں کیلئے باعث تسکین اور دین اسلام کی طرف ان کے مائل ہونے کا ذریعہ بھی بن جاتا ہے۔ لہذا وہ مسلم خواتین جو بیرون ممالک رہائش پذیر ہیں وہ پردے کے حکم پر اہتمام سے عمل کریں اس حکم کی تعمیل سے اُنھیں تبلیغ اسلام کا بھی اجر ملے گا کیونکہ غیر مسلم عورتیں اسلام کے حکم حجاب سے متاثر ہوکر اسلام بھی قبول کرلیتی ہیں۔

۴۔ مسنون اعمال: چوتھا عمل جو غیر مسلموں کو بہت متاثر کرتا ہے۔ اور مذہب اسلام کو قبول کرنے

کا ذریعہ بنتا ہے وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری ادائیں اور مسنون اعمال ہیں۔ جب غیر مسلم لوگ مسلمانوں کا مسنون لباس دیکھتے ہیں۔ اُن کا مسنون طریقے سے کھانا پینا دیکھتے ہیں۔ سفر، رہن سہن اور دیگر اُمور زندگی میں سنت کا اہتمام دیکھتے ہیں تو یہ زندگی غیر مسلموں کو بہت جلد متاثر کرتی ہے۔ وہ ان مسنون اعمال کی برکت سے دین اسلام میں دلچسپی لینے لگتے ہیں اور حق کی راہ پالیتے ہیں۔ مسنون اعمال کی برکت سے اسلام قبول کرنے والوں کے لا تعداد واقعات ہیں لہذا غیر مسلم ممالک میں بسنے والے مسلمان اگر سنتوں پر عمل کا اہتمام رکھیں تو اُنھیں جہاں اللہ تعالیٰ کی محبوبیت نصیب ہوگی وہاں اُن کا یہ مسنون عمل غیر مسلموں کے ہدایت پر آنے کا بھی ذریعہ بنے گا جو اُن کے لیے صدقہ جاریہ ثابت ہوگا۔

چار اعمال اپنے اندر بے پناہ کشش اور جاذبیت رکھتے ہیں اور غیر مسلموں کو اسلام کے قریب تر لانے کا ذریعہ ثابت ہوتے ہیں۔ اس لئے اِن چار اعمال پر اہتمام سے عمل پیرا ہونا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

نماز اشراق اور نماز چاشت

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ صبح کے وقت جب آفتاب آسمان پر اتنا اونچا چڑھ جاتا جتنا اوپر عصر کی نماز کے وقت ہوتا ہے، اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعت نماز اشراق پڑھتے تھے اور جب مشرق کی طرف اس قدر اونچا ہو جاتا ہے، جس قدر ظہر کی نماز کے وقت مغرب کی طرف ہوتا ہے، تو اس وقت چار رکعت چاشت کی نماز پڑھتے تھے۔ (شمائل ترمذی)

اشراق: ایک حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے فجر کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کی اور پھر سورج نکلنے تک (وہیں) بیٹھا رہا اور اللہ کا ذکر کرتا رہا پھر دو رکعتیں اشراق کی پڑھیں (پھر مسجد سے واپس آیا) تو اس کو ایک حج اور ایک عمرہ کی مانند اجر ملے گا، پورے حج اور عمرہ کا، پورے حج اور عمرہ کا، پورے حج اور عمرہ کا۔ (حصن حصین)

نماز چاشت: اکثر علماء فرماتے ہیں کہ چاشت کی نماز مستحب ہے اسے کبھی پڑھ لیا جائے اور کبھی چھوڑ دیا جائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ اکثر نوافل وتطوعات میں ایسی ہی تھی (یعنی کبھی پڑھتے اور کبھی چھوڑ دیتے) اکثر صحابہ وتابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اسی طرح عمل تھا۔

نماز چاشت کی تعداد اکثر علماء مختلف بیان کرتے ہیں۔ کم از کم دو رکعت اور زیادہ سے زیادہ آٹھ رکعت۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی قدر نقل کی گئی ہیں، اس نماز کی قراءت میں مشائخ کے اوراد میں سورۃ الشمس، سورۃ الضحیٰ، سورۃ اللیل اور سورۂ الم نشرح مرقوم ہے اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد یہ دعا پڑھے۔ سو مرتبہ پڑھنا بھی ماثور ہے۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَتُبْ عَلَیَّ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُوْرُ (مدارج النبوۃ)

ترجمہ: اے اللہ! مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما اور میری توبہ قبول فرما، بے شک آپ بہت توبہ قبول کرنے والے، بخشنے والے ہیں۔

ڈاکٹر محمد حسان اشرف عثمانی

آپ کا سوال

قارئین صرف ایسے سوالات ارسال فرمائیں جو عام دلچسپی رکھتے ہوں اور جن کا ہماری زندگی سے تعلق ہو، مشہور اور اختلافی مسائل سے گریز فرمائیں.........................(ادارہ)

سوال: ہمارے علاقے میں حوالہ کے نام سے رقم ترسیل کرنے کا ایک طریقہ رائج ہے، ترسیل کرنے کی دکان صراف کے نام سے مشہور ہے جو حکومت میں رجسٹرڈ نہیں ہے البتہ حکومت کی طرف سے کوئی پابندی بھی نہیں ہے اور رقم ایک جگہ سے دوسری جگہ ترسیل کرنے کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ اگر مثلاً مجھے کوئٹہ میں پیسوں کی ضرورت ہو تو میں چاغی میں موجود اپنے بھائی سے کہوں گا کہ مجھے رقم کی ضرورت ہے تو وہ چاغی کے صرّاف کے پاس رقم جمع کرادیتا ہے اور صراف میرے بھائی سے کہدیتا ہے کہ اپنے بھائی کو کہو کہ کوئٹہ کے فلاں صراف سے اپنے پیسے وصول کرلے اور ان دونوں صرّافوں کے درمیان پہلے سے رابطہ ہوتا ہے اور اس ترسیل کے کام پر وہ اجرت کے طور پر کچھ رقم لیتے ہیں، تو کیا ان کے لئے مذکورہ رقم کا وصول کرنا جائز ہے؟ یا یہ معاملہ سود کے زمرے میں آئے گا؟ اور مذکورہ علاقے میں اس کے علاوہ کوئی دوسرا متبادل طریقہ بینکنگ وغیرہ کا بھی نہیں ہے جس کے ذریعہ وہ لوگ اپنے پیسے بھیجدیں البتہ ایزی پیسہ کا انتظام ہے۔

جواب: سوال میں ذکر کردہ معاملہ فقہی لحاظ سے "حوالہ" کہلاتا ہے، جس کا حکم یہ ہے کہ اگر قانونی طور پر حوالہ کا کاروبار کرنے کی ممانعت نہ ہو تو مذکورہ معاملہ کرنا شرعاً درست ہے، اور اس صورت میں اس ترسیل کے کام کی اجرت کے طور پر کچھ رقم (جو پہلے سے متعین ہو) لینا بھی جائز ہے۔ (کذا فی حکم منی آرڈر، امداد الفتاوی ۳ :۱۳۴ وفقه البیوع) البتہ اگر قانونی طور پر حوالہ کے کاروبار کی ممانعت ہو (جیسا کہ ہماری معلومات کے مطابق پاکستان میں حوالے کے کاروبار کی ممانعت ہے) تو ایسی صورت میں قانون کی خلاف ورزی ہونے کی وجہ سے مذکورہ معاملہ جائز نہیں ہوگا، لیکن اس سے حاصل ہونے والی آمدنی حرام اور ناجائز نہیں ہوگی۔ (فقہ البیوع ۲: ۷۵۰)

☆☆☆

پودے لگانا، اپنی زمین آباد رکھنا

عَنْ أَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا مِنْ مُسْلِمٍ غَرَسَ غَرْسًا فَأَكَلَ مِنْهُ اِنْسَانٌ أَوْ دَابَّةٌ اِلَّا كَانَ لَهُ بِهٖ صَدَقَةٌ. (رَوَاهُ الْبُخَارِیُ۔بَابُ رَحْمَةِ النَّاسِ وَالْبَهَائِمِ).

ترجمہ: سیدنا حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل فرمایا: کہ جو مسلمان بھی کوئی پودا لگائے اور اس پودے سے کوئی انسان یا جانور کھائے تو لگانے والے کو اس پودے کی وجہ سے صدقہ کا ثواب ملے گا۔

تشریح: حدیث شریف کا مضمون واضح ہے کہ اگر کوئی آدمی اپنی یا کسی مباح زمین میں پودا لگائے، کاشت کرے، شجر کاری کرے، مردہ زمین کو زندہ کر کے اسے سرسبز کردے اور مخلوق خدا کو اس کا فائدہ پہنچے تو اس کا یہ عمل اعمال صالحہ میں شامل ہے، صدقہ کے مساوی ہے اور جب تک مخلوق خدا کو اس کا فائدہ پہنچتا رہے گا اس کا ثواب اس کے نامۂ اعمال میں درج ہوتا رہے گا۔

مولانا محمد راحت علی ہاشمی

جامعہ دار العلوم کراچی کے شب و روز

تربیتی بیان

۲۰/۳/ ۱۴۴۰ھ رئیس الجامعہ حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم نے شب جمعرات میں جامع مسجد دار العلوم کراچی میں طلبہ سے خطاب فرمایا جس میں انہیں حصول تعلیم میں محنت کے ساتھ ساتھ اپنی تربیت کے اہتمام کی طرف متوجہ فرمایا، الحمدللہ طلبہ نے حضرت والا مدظلہم کی نصائح کو بہت شوق اور توجہ سے سنا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان نصیحتوں کو حرز جان بنانے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین۔ حضرت والا کے اس بیان کے چند اہم نکات درج ذیل ہیں:

۱) جامعہ دار العلوم کراچی میں طلبہ کی اصلاح وتربیت کے سلسلہ میں بیان کا معمول شروع ہی سے رہا ہے، پہلے والد ماجد، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ کا بیان ہوتا تھا حضرت کی اخیر عمر میں علالت وضعف کی شدت ہو جانے کی بناء پر حضرت مولانا سحبان محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہوتا رہا اور ان کی رحلت کے بعد یہ خدمت میرے ذمہ آگئی۔

اگرچہ دیگر مشاغل اور اسفار کی بنا پر کبھی بہت عرصہ بعد اس بیان کا موقع ملتا ہے مگر طلبہ سے خطاب کا کبھی بوجھ نہیں ہوتا کیونکہ ہم خود بھی طالب علم ہیں۔ ~ کند ہم جنس با ہم جنس پرواز

علم کی تو کوئی انتہاء ہی نہیں ہے اس لئے انسان ساری عمر ہی طالب علم رہتا ہے، حضرت مولانا محمد یوسف بنوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دفعہ فرمایا کہ پچیس سال سے بخاری شریف پڑھا رہا ہوں، ہر سال کوئی نہ کوئی بات ایسی سامنے آجاتی ہے جس کا پہلے سے علم نہیں ہوتا اس لئے ہمیں دعا سکھائی گئی ہے۔ قل رب زدنی علماً

۲) ہم سب کی اصل ذمہ داری یہ ہے کہ علم کو پختہ کریں، اور پھر سب سے پہلے خود فائدہ اٹھائیں اس کے بعد دوسروں تک بھی پہنچائیں۔ اللہ تعالیٰ نے حصول علم کے جس مشغلہ میں ہمیں لگا دیا ہے اس پر شکر ادا کریں اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسے کام میں لگا دیا ہے جو اجتماعی کاموں میں سب سے افضل ہے، اللہ تعالیٰ کا سب سے پہلا حکم اِقْرَا بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ الخ کے ذریعہ ملا، غار حراء سے

تشریف لاکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو یہ سنادیا اس وحی کے تقریباً ڈھائی سال بعد سورۂ مدثر کی آیات نازل ہوئیں "قُمْ فَاَنْذِرْ" تقریباً دس سال انذار کا کام پوری ثابت قدمی اور صبر کے ساتھ انجام دیا، یہ دس سالہ عرصہ اہل ایمان کی تربیت کا ہی تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے، آپ کے اولین شاگرد، انہیں دس سال تک صبر کی بھٹی میں پکایا گیا، مشکلات کو جھیلنے کی عادت ڈالی گئی، یہ وہ طلبہ تھے جن سے دنیا کی امامت کا کام لینا تھا انہیں اس کے لئے تیار کیا جارہا تھا، پھر جب علم بھی پکا ہوگیا، تربیت بھی پختہ ہوگئی تو اعداء اسلام سے مقابلہ کا حکم ملا، اس وقت انہی تربیت یافتہ حضرات نے بہادری کا جوہر دکھایا اور پورے جزیرۃ العرب پر اسلام کا جھنڈا لہرا گیا۔ اس کے بعد، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تیئس سالہ زندگی کے یہ تربیت یافتہ، اسلام کی دعوت کو لے کر پوری دنیا میں جہاں جہاں کفر وشرک پھیلا ہوا تھا پہنچے، جزیرۃ العرب سے جب یہ حضرات نکل رہے تھے تو ان کے ہاتھوں میں اونٹوں کی مہاریں تھیں مگر ان مخلص، بہادر، دیندار اور دیانتدار لوگوں کی زندگیوں سے ایسا انقلاب آیا کہ دیکھتے ہی دیکھتے حکومتوں کی لگامیں ان کے ہاتھ میں آگئیں اور تقریباً آٹھ سو سال تک دنیا میں مسلمانوں کا عروج رہا، مالا بار (ہند) کے علاقہ میں کچھ حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم تجارت کرنے آئے، ان کی زندگی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں ڈھلی ہوئی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر پورا عمل تھا یہ نہ جھوٹ بولتے تھے، نہ دھوکہ دیتے تھے، معاشرت، معاملات، اخلاق سب سیکھ رکھے تھے، ایسے تاجر وہاں کے لوگوں نے پہلے نہیں دیکھے تھے، دین پھیلنے لگا، نہ کوئی فوجی دستہ گیا تھا نہ کوئی محض تبلیغ کرنے گیا تھا، بادشاہ وقت کو پتہ چلا تو اس نے ان حضرات کو بلاکر پوچھا تم کون ہو؟ بتایا گیا کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں انہوں نے ہمیں اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا ہے ہمیں دین سکھایا ہے یہ بادشاہ بھی مسلمان ہوگیا پھر پورے ملک میں اسلام اور اسلامی نظام قائم ہوگیا۔ اسلام جب تک ہماری زندگیوں میں نہیں آئے گا اسلام نافذ نہیں ہوگا۔

اس لئے ضروری ہے کہ ایک طرف ہم علمی پختگی پیدا کریں، کیونکہ علماء حقانی کے اٹھتے جانے سے علم بھی اٹھتا چلا جائے گا، جو علماء رہ گئے ہیں ان سے خوب استفادہ کرو، اسی کے ساتھ ساتھ اپنی زندگیوں کو سنت سے آراستہ کرو، اپنی معاشرت، اپنے معاملات، اپنے اخلاق میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی نقل کرو، طالب علم بنے ہو تو علم کا حق بھی ادا کرو۔

۳ میری پیدائش دیوبند ہی کی ہے، میں نے وہاں کے درجہ حفظ میں پڑھا بھی ہے میرا نام

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ نے تجویز فرمایا تھا اور میرے نام کا سجع بھی حضرت نے خود ہی کہا تھا: ز جملہ خلائق محمد رفیع (حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ کے نام کا سجع بھی اسی وزن پر تھا بروز قیامت محمد شفیع) اپنے بچپن میں ہم لوگ والد ماجد قدس سرہ کے ساتھ تھانہ بھون جاکر کچھ وقت رہا کرتے تھے، اس وقت کی ایک بات یاد آگئی کہ میں جھولا جھولتے ہوئے یہ مصرعہ پڑھا کرتا تھا،

اللہ اللہ کا مزہ مرشد کے میخانہ میں ہے

جب ہم دورۂ حدیث سے فارغ ہوئے تو حضرت والد ماجد قدس سرہ نے تخصص فی الافتاء قائم فرمایااوراس کے سب سے پہلے شاگرد بھی ہم تھے، اپنی طالب علمانہ زندگی میں، میں اپنے نام کے ساتھ دیوبندی لکھا کرتا تھا لیکن جب میں نے تدریس شروع کی تو حضرت والد ماجد قدس سرہ نے فرمایا کہ اپنے نام کے ساتھ دیوبندی نہ لکھا کرو، اس سے فرقہ بندی کی بو آتی ہے، ہمارے بزرگوں کا یہ رنگ تھا، اپنے مخالفوں کے ساتھ بھی ان کا رویہ ہمدردانہ رہا، ہمیشہ نبیوں والا طریقہ اختیار کیا، "قُوْلَا لَه قَوْلًا لَيِّنًا"۔ اب تو بعض لوگ منبر پر بیٹھ کر تفرق کرتے ہیں، فرقہ واریت سے اپنے آپ کو دور رکھو۔

۴ اپنی زندگی کو عملی طور پر سنت کے رنگ میں رنگنے کے لئے اکابر علماء دیوبند کے حالات پڑھا کرو، ان کے حالات سے حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے انداز سیکھ سکتے ہو، یہ علماء دیوبند درحقیقت حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا نمونہ تھے، انہوں نے دین صرف پڑھا ہی نہیں تھا، سیکھا بھی تھا۔ جس طرح حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے دین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف پڑھا ہی نہیں تھا سیکھا بھی تھا۔

۵ دعا کیا کرو کہ اللہ تعالیٰ ہمیں علم نافع عطا فرمائیں اور ہمارا عمل مقبول ومنظور ہو جائے۔ ایک مسنون دعا کے بھی یہ الفاظ ہیں، اللھم انی اسئلک علما نافعا وعملا متقبلاً

پیغام مدارس کانفرنس

جامعہ دارالعلوم کراچی میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی طے کردہ پیغام مدارس کانفرنس کے تحت وفاق کے ناظم سندھ حضرت مولانا امداد اللہ صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ کی دعوت پر ایک اجتماع ۲۲/ربیع الثانی ۱۴۴۰ھ بروز اتوار جامع مسجد جامعہ دارالعلوم کراچی میں منعقد کیا گیا جس کی صدارت رئیس الجامعہ دارالعلوم کراچی، نائب صدر وفاق المدارس، مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم نے فرمائی، اس اجتماع میں ضلع کورنگی وضلع ملیر کے وفاق المدارس سے ملحقہ مدارس کے محترم مہتمم

حضرات اور خطباء عظام نے شرکت فرمائی ۔ مؤقر علماء کرام نے اپنے اپنے خطاب میں وفاق المدارس سے سرکاری طور پر کئے جانے والے معاہدوں پر عمل درآمد کو یقینی بنانے کا مطالبہ کیا اور اہل مدارس کو اپنے داخلی نظم ونسق کو مزید بہتر بنانے اور تعلیمی وتربیتی اقدامات میں مزید پیش رفت کی طرف متوجہ فرمایا نیز خطباء کرام سے درخواست کی کہ وہ اپنے اپنے جمعہ کے بیانات میں دینی مدارس کی ضرورت وافادیت اور تعلیم کے فروغ، اصلاح معاشرہ اور اسلامی اخوت ومحبت کے پھیلانے میں ان کے کردار کو بھی اجاگر کریں ۔

رئیس الجامعہ حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ مدارس کے مسائل کے حل کے لئے اس سلسلہ میں کی جانے والی کوششیں اپنی جگہ جاری رہنی ضروری ہیں مگر اسی کے ساتھ ساتھ ہمارے ان اداروں میں جہاں تعلیم کا عمدہ انتظام ہے وہیں تربیت کی طرف بھی بھرپور توجہ رہنی چاہیے ۔ دین پڑھانے کے ساتھ ساتھ اسے سکھانے کا بھی دھیان رکھنا ضروری ہے ۔ اپنے خطاب کے اخیر میں آپ نے دعا فرمائی اور جامعہ کے بزرگ استاد حضرت مولانا رشید اشرف صاحب (جو اس وقت ہسپتال میں داخل تھے) کے لئے خصوصیت سے دعا کرائی ، آپ کی دعا پر علماء وصلحاء کا یہ بارونق اجتماع اختتام پذیر ہوا۔

تعلیمی سرگرمیاں

حسب ہدایت حضرت رئیس الجامعہ دارالعلوم کراچی مدظلہم جامعہ دارالعلوم کے شعبہ حفظ وناظرہ ودرس نظامی ودرجات تخصص میں ششماہی امتحان بروز پیر غالباً ۳۰ر ربیع الثانی ۱۴۴۰ھ سے شروع ہوجائیں گے، امتحان سے قبل ۲۸۔۲۹ ربیع الثانی ۱۴۴۰ھ دو روز تیاریٔ امتحان کے لئے اسباق بند رہیں گے، امتحان سے فراغت کے بعد بروز منگل ، بدھ، جمعرات تین دن پرچہ جانچنے کے لئے اسباق بند رہیں گے۔ اوران شاء اللہ تعالیٰ بروز ہفتہ بتاریخ غالباً ۱۲ر جمادی الاولیٰ سے دوبارہ سلسلہ اسباق شروع ہوجائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس امتحانی سرگرمی کو طلبہ کی علمی پختگی کا ذریعہ بنائیں ۔ آمین۔

اسفار حضرت رئیس الجامعہ مدظلہم

سعودی عرب میں مسلمانوں کی ایک بین الاقوامی تنظیم رابطہ عالم اسلامی کی ایک ذیلی تنظیم الهيئة العالمية للعلماء المسلمين ، جس کے امین العام الدکتور محمد بن عبدالکریم العیسی رئیس رابطہ عالم اسلامی اور خادم الحرمین الشریفین کی عنایت سے اس تنظیم نے مخاطر التصنيف والاقصاء کے عنوان سے ایک

کانفرنس ۵ اور ۶ ربیع الثانی ۱۴۴۰ھ ۱۲ اور ۱۳ دسمبر ۲۰۱۸ء کو مکۃ المکرمہ میں منعقد کی، محترم جناب محمد بن عبدالکریم العیسیٰ کی دعوت پر رئیس الجامعہ دارالعلوم کراچی حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ اس کانفرنس میں شرکت کے لئے ۳ ربیع الثانی ۱۴۴۰ھ مطابق ۱۰ دسمبر ۲۰۱۸ء پیر کے روز مکۃ المکرمۃ پہنچے، جہاں آپ نے کانفرنس میں شرکت فرمائی، حضرت والا کے علاوہ اور بھی متعدد علماء کرام نے اپنے اپنے مقالہ جات پیش کئے حضرت والا مدظلہم کی اہلیہ محترمہ مدظلہا اور جامعہ دارالعلوم کراچی کے استاذ الحدیث حضرت مولانا مفتی ڈاکٹر محمد زبیر عثمانی حفظہ اللہ تعالیٰ بھی اس سفر میں آپ کے ساتھ شریک سفر تھے۔

حضرت والا نے کانفرنس کے علاوہ عمرہ کی سعادت حاصل کی اور کانفرنس سے فارغ ہوکر چند دن مکۃ المکرمۃ میں قیام کے بعد حضرت مدینہ منورہ حاضری کے لئے روانہ ہوئے، جہاں سے تقریباً ۵ روز قیام کے بعد ۲۳ دسمبر ۲۰۱۸ء کو حضرت والا دامت برکاتہم بحمداللہ بخیر وعافیت واپس کراچی تشریف لے آئے۔

دعائے مغفرت

جامعہ دارالعلوم کراچی کے قدیم بزرگ استاذ الحدیث، شعبہ مدرسہ ابتدائیہ وثانویہ اور مدرسۃ البنات کے ناظم حضرت مولانا رشید اشرف صاحب سیفی رحمۃ اللہ علیہ، پیر ومنگل کی درمیانی شب ۲۳ ربیع الثانی ۱۴۴۰ھ کو رحلت فرماگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون.

مرحوم چند دن قبل ہی عمرہ کی ادائیگی کر کے واپس پہنچے تھے۔ ۱۷ ربیع الثانی ۱۴۴۰ھ کو حسب معمول نماز عصر سے پہلے تک ترمذی شریف کا درس دیا اور نماز مغرب کی باجماعت ادائیگی کے بعد فالج کے شدید حملہ سے بے ہوش ہوگئے، فوراً ہی ہسپتال لیجایا گیا جہاں ایک ہفتہ انتہائی نگہداشت میں رہنے کے بعد منگل کی شب میں، پوری زندگی علمی ودینی خدمات انجام دے کر سفر آخرت اختیار فرمایا۔ ان کی تجہیز وتکفین میں ان کے صاحبزادگان، برادران اور داماد کے علاوہ جامعہ کے اساتذہ بالخصوص حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب مدظلہم، مفتی عبدالمنان صاحب، مولانا محمد اسحاق صاحب، مولانا زبیر اشرف صاحب مدظلہم شریک رہے، مختلف طلبہ نے بھی حسب ضرورت اس خدمت میں حصہ لیا بعد ازاں جامعہ مسجد دارالعلوم کراچی میں بعد نماز ظہر رئیس الجامعہ حضرت مولانا محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم کی اقتداء میں ان کی نماز جنازہ ادا کی گئی جس میں حضرت نائب رئیس الجامعہ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم اور جامعہ کے اساتذہ وطلبہ کے علاوہ دیگر مدارس کی اہم شخصیات اور مولانا مرحوم کے مختلف شہروں سے آئے ہوئے قدیم تلامذہ شریک ہوئے اور پھر جامعہ کے قدیم قبرستان میں اپنے والد ماجد حضرت مولانا نور احمد صاحب قدس سرہ کے قریب سپرد خاک کئے گئے اللھم اغفر لہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ وادخلہ الجنۃ واعذہ من النار۔ اللہ تعالیٰ مغفرت

کاملہ اور درجات عالیہ سے سرفراز فرمائیں۔آمین۔

جامعہ دارالعلوم کراچی کے شعبہ دارالقرآن کے کارکن مولانا محمد اسماعیل اطہر صاحب کی والدہ بروز منگل ۱۰؍ربیع الثانی ۱۴۴۰ھ بعد نماز فجر طویل علالت کے بعد انتقال کرگئیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

جامعہ دارالعلوم کراچی کے فاضل مولانا محمد یونس صاحب ۱۰؍ربیع الثانی ۱۴۴۰ھ ۱۸؍دسمبر ۲۰۱۸ء منگل کے روز طویل علالت کے بعد رحلت فرماگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون، نماز ظہر کے بعد حضرت مولانا مفتی محمود اشرف عثمانی صاحب مدظلہم نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی، جامعہ کے اساتذہ وطلبہ کے علاوہ اقرباء واحباب نے نماز جنازہ میں شرکت کی۔

اللہ تعالیٰ ان تمام مرحومین کی کامل مغفرت فرمائیں، درجات عالیہ سے نوازیں، ان کے پسماندگان اور لواحقین کو صبر جمیل اور فلاح دارین عطا فرمائیں۔آمین۔قارئین سے بھی دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

نقد و تبصرہ

تبصرے کے لیے ہر کتاب کے دو نسخے ارسال فرمائیے

تبصرہ نگار کا مؤلف کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں

نام کتاب .... حیاتِ انوری، سوانح، ارشادات و مکتوبات

نام مؤلف .... ابوحذیفہ عمران فاروق

ضخامت ....۳۱۴ صفحات۔ عمدہ طباعت، قیمت: درج نہیں

ناشر .... محمد راشد انوری باھتمام مجلس رائے پوری

ملنے کا پتہ ....ڈھڈیاں شریف، خانقاہ گلشن قادریہ، نزد جھاوریاں ضلع سرگودھا۔ پنجاب

حضرت مولانا محمد انوری رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۱۹۰۱ء میں اور وفات ۱۹۷۰ء میں ہوئی، آپؒ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے مرید باصفا، خادم خاص اور خلیفہ مجاز تھے، امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ رشید اور خلیفہ مجاز تھے۔ اسی نسبت سے "انوری" کہلائے، نیز مرشد العلماء حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے بھی خلیفۂ خاص تھے، آپ اتنی بڑی بڑی نسبتوں کے امین تھے مگر اب تک حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی کوئی با قاعدہ سوانح مرتب نہیں ہوئی تھی۔

اب آپ کے پوتے جناب صاحبزادہ محمد راشد انوری صاحب کی تحریک پر ڈاکٹر ابوحذیفہ عمران فاروق صاحب نے "حیات انوری" کے نام سے زیر نظر کتاب مرتب فرمائی ہے، جس میں حضرت مولانا محمد انوری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات، افادات، ارشادات و واقعات، مکاتیب، وظائف و عملیات تفصیل کے ساتھ درج فرمائے ہیں۔ نیز حضرت مولانا انوری رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے حضرت مولانا محمد ایوب الرحمٰن انوری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات بھی تحریر کئے ہیں۔

حضرت مولانا ایوب الرحمٰن انوری صاحب نے اپنی حیات میں بہت سے اکابر علماء کرام اور بزرگان دین

سے ملاقاتیں کی تھیں۔ان سب ملاقاتوں کا حال انہوں نے خود اپنے قلم سے تحریر کردیا تھا۔یہ سب حالات بھی اس کتاب میں شامل کردئے گئے ہیں جس کی وجہ سے کتاب کافی جامع ہوگئی ہے۔

کتاب کا مطالعہ کرنے سے علمی وعملی فائدہ محسوس ہوتا ہے، یقیناً یہ ایک عمدہ "تذکرہ" ہے جس کا مطالعہ عام خاص دونوں طبقوں کے لئے بہت مفید ہے۔ (ابومعاذ)

نام کتاب .... آداب الافتاء والقضاء

نام مؤلف .... مولانا مفتی ذاکرحسن نعمانی صاحب

ضخامت .... ۳۷۷ صفحات، مناسب طباعت، قیمت: درج نہیں

ناشر .... العصر اکیڈمی، جامعہ عثمانیہ، نوتھیہ روڈ، پشاورصدر

قرآن کریم، احادیث مبارکہ وآثار صحابہ کا بالاستیعاب اور بغور مطالعہ کیا جائے تو ان سے مختلف موضوعات پر بہت ہی مفید اور اہم ہدایات حاصل ہوتی ہیں جن سے مطالعہ کرنے والا بہت ہی قلبی اطمینان محسوس کرتا ہے۔انہی موضوعات میں سے ایک اہم موضوع افتاء، قضاء اور تحکیم کے اصول بھی ہیں۔کتاب وسنت واقوال سلف میں اس عنوان پر بھی الحمدللہ بیش بہا ذخیرہ وافر مقدار میں موجود ہے، اللہ تعالیٰ نے جناب مولانا مفتی ذاکرحسن نعمانی صاحب کو یہ توفیق عطا فرمائی کہ انہوں نے بڑی عرقریزی سے ایسی احادیث طیبہ مرفوعہ وموقوفہ ومقطوعہ زیرنظر کتاب میں جمع فرمادی ہیں کہ جن میں فتوے دینے، فیصلہ کرنے اور ثالثی سے متعلق آداب بیان کئے گئے ہیں۔مولانا موصوف نے عربی متن ذکر کرکے اس کا اردو میں ترجمہ کیا ہے اور پھر اس سے حاصل ہونے والی ہدایات کو وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

افتاء وقضاء کے اصول پر الگ سے مستقل کتابیں بھی موجود ہیں لیکن مولانا محترم نے ان سے ہٹ کر براہ راست مآخذِ شرعیہ سے بہت مفید باتیں مستنبط فرمائی ہیں، یہ واقعی ان کے تخلیقی ذہن کا عمدہ کارنامہ ہے۔اللہ تعالیٰ ان کی اس مخلصانہ محنت کو قبول فرمائے اور متعلقہ موضوع سے تعلق رکھنے والے حضرات کو اس سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔جو نصوص یہاں پیش کی گئی ہیں ان کے علاوہ اور عبارات بھی امید ہے کہ مزید تلاش کرنے سے مل جائیں گی نیز ان نصوص سے افتاء وقضاء کے علاوہ جو دیگر احکام شرعیہ حاصل ہورہے ہیں اگر ان کی وضاحت بھی ہوجاتی تو اہل علم کے لئے اور مفید ثابت ہوتی، یہ کام اس کتاب میں بھی کیا جاسکتا ہے اور اس کے لئے کسی اور نام سے الگ مجموعہ بھی مرتب کیا جاسکتا ہے۔والله الموفق والمعين (ابومعاذ)

نام کتاب .... جنت کے طالب

نام مؤلف .... قاری محمد سلیمان صاحب

ضخامت .... ۵۴ صفحات، عمدہ طباعت، قیمت: ۵۰روپے

ناشر .... مکتبہ عثمانیہ ایچ ایم سی ٹیکسیلا۔ضلع راولپنڈی

اس وقت تو ہم دنیا کی زندگی بسر کررہے ہیں، اس کے بعد یعنی برزخ اور آخرت میں کیا حالات پیش آئیں گے؟ فی الحال یہ ساری چیزیں ہماری نظروں سے اوجھل ہیں مگر یہ ساری باتیں قرآن کریم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی تفصیل سے بیان فرمادی ہیں۔زیر نظر مختصر کتاب میں بھی اسی موضوع پر ناصحانہ انداز میں اچھی گفتگو کی گئی ہے، امید ہے کہ اس عنوان پر تحریر کی گئی دیگر کتابوں کے ساتھ ساتھ اس کتاب کا بھی مطالعہ کرکے آخرت کی تیاری کی بھرپور کوشش کی جائے گی۔اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔آمین۔(ابومعاذ)

نام کتاب .... اصول الافتاء

نام مؤلف ....مفتی احتشام الحق آسیابادی

ضخامت .... ۱۴۳ صفحات، مناسب طباعت۔قیمت: درج نہیں

ناشر .... الانتصار اکیڈمی، جامعہ رشیدیہ، آسیاباد۔تربت، مکران۔بلوچستان

افتاء کا منصب انتہائی پُر خطر اور نازک ہے کیونکہ فتوی دینے کا مطلب حکم شرعی بیان کرنا ہے، اس لئے افتاء کا کام شروع کرنے سے پہلے کسی بڑے استاذ اور ماہر مفتی سے افتاء کے اصول باقاعدہ درساً پڑھنے ضروری ہیں اور پھر ان کی زیر نگرانی معتد بہ عرصے تک تمرین افتاء بھی ضروری ہے۔اس ذمہ داری کو سنبھالنے کے بعد بھی ''اصول افتاء'' کی کتابوں کا وقتاً فوقتاً مطالعہ کرتے رہنا چاہیے۔

مذکورہ کتاب اسی موضوع پر تالیف کی گئی ہے جس میں مقدمہ شامی اور شرح عقود رسم المفتی کی روشنی میں مفید ہدایات بیان کی گئی ہیں جن کا مطالعہ کرنے سے افتاء کے اصول وقواعد سے آگاہی حاصل ہوتی ہے، ان کے علاوہ ایسی باتیں بھی ذکر کی گئی ہیں جو عام طور پر تجربے کے بعد سامنے آتی ہیں۔

کمپوزنگ کی اغلاط زیادہ نظر آرہی ہیں۔زبان کے لحاظ سے بھی کتاب پر نظر ثانی کی ضرورت ہے، مگر موجود حالت میں بھی اس سے استفادہ کیا جاسکتا ہے، امید ہے کہ اہل افتاء اس کی قدردانی فرمائیں گے۔ (ابومعاذ)

نام کتاب .... فتاوی محمدی

نام مصنف .... حضرت مولانا سید اصغر حسین میاں صاحب، نور اللہ مرقدہ

عنوانات واضافات .... مولانا خورشید حسن قاسمی، دارالعلوم دیوبند

باہتمام .... ڈاکٹر سید جمیل حسین صاحب (نبیرہ حضرت میاں صاحبؒ)

ضخامت .... ۲۰۳ صفحات، مناسب طباعت، قیمت: =/۲۰۰ روپے

ناشر .... شعبہ تصنیفات علمیہ، مدرسہ اسلامیہ اصغریہ دیوبند۔ انڈیا

احادیث طیبہ کا مطالعہ کیا جائے تو ان میں بہت سی احادیث ایسی ملیں گی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی نہ کسی صحابی کے سوال کے جواب میں ارشاد فرمائی ہیں، سوال کو استفتاء اور جواب کو فتویٰ کہا جاتا ہے، اس طرح کے بہت سے فتاویٰ کتبِ احادیث میں مل جائیں گے جو بذاتِ خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صادر فرمائے۔

ایسے ہی ایک سو ساٹھ فتاویٰ مذکورہ کتاب میں درج کئے گئے ہیں، جو تقریباً زندگی کے ہر شعبہ سے تعلق رکھتے ہیں، ان میں سے ایک سو بیس فتاویٰ ایسے ہیں جو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد فرمودہ ہیں، بیس فتاویٰ حضرات صحابۂ کرام نے جاری فرمائے، بقیہ بیس سوالات کے جوابات تابعین، تبع تابعین اور فقہاء امت نے تحریر فرمائے ہیں۔

ہر ہر فتوے سے متعلق عربی متن، حوالے کے ساتھ ذکر کرنے کے بعد اس کا سلیس اردو ترجمہ لکھا گیا ہے اس کے بعد اس مسئلہ کی مکمل تشریح بہت ہی عمدہ انداز میں تحریر کی گئی ہے۔ اس لحاظ سے یہ بہت ہی بہترین کتاب ہے جس کا مطالعہ علماء کرام کے علاوہ، عام قارئین کے لئے بھی بہت مفید ہے۔ (ابو معاذ)

نام کتاب　تحریک ایمان

نام مرتب .... ابوعثمان قاری محمد سلیمان

ضخامت .... ۱۱۸ صفحات، عمدہ طباعت۔ قیمت: ۱۰۰ روپے

ناشر .... مکتبہ عثمانیہ، ایچ۔ ایم۔ سی، ٹیکسلا۔ ضلع راولپنڈی

دعوتِ دین ہر مسلمان کا اہم فریضہ ہے جس کی ضرورت واہمیت مسلم ہے، کتاب وسنت میں اس پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پوری حیات طیبہ اسی میں صرف فرمائی ہے۔ صحابۂ

کرام نے اس کا خاص اہتمام فرمایا ہے۔شروع سے لے کر اب تک علماء امت دعوت کے کام میں مصروف رہے ہیں اور آئندہ بھی ان شاء اللہ یہ مبارک سلسلہ جاری رہے گا۔حضرت مولانا محمد الیاس صاحب، رحمۃ اللہ علیہ، نے بھی بڑے اخلاص کے ساتھ دعوت کے کام کو ایک خاص نہج پر چلانے کے لئے بڑی محنت فرمائی جس کے بابرکت ثمرات آج ہر شخص اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔زیر نظر کتاب میں اسی موضوع کو بہت دلچسپ اور مؤثر انداز میں اجاگر کیا گیا ہے اور مختلف واقعات کے ضمن میں مسلمانوں کو دعوت وتبلیغ کے موجودہ اور مفید طریقۂ کار میں شامل ہونے کی ترغیب دی گئی ہے۔

یہ عمدہ، قابل ستائش اور قابل مطالعہ کتاب ہے جس سے استفادہ کیا جانا چاہئے۔ (ابو معاذ)